Title - NIKATUL SHORA.

Creator - Meer Taqi Meer; Murattiba Juma Hameeda Khatoon.

Publisher - Hameeda Khatoon (Delhi).

Date - 1994

Pages - 160

Subjects - Tazkira Shora.

فہرستِ مضامین

باعتبار حروفِ تہجی

مقدمہ

میر صاحب کے حالات اس زمانے میں کافی طور پر شایع ہو چکے ہیں اور خصوصاً "ذکر میر" کی اشاعت سے اُن حالات اور واقعات کا انکشاف ہوا ہے جو اس سے قبل کسی تذکرے وغیرہ میں نہیں پائے جاتے تھے۔ اس لیے اس بارے میں کچھ لکھنا لاحاصل ہے۔ البتہ تذکرے کے متعلق چند باتیں بطور مقدمے کے لکھنی ضروری معلوم ہوتی ہیں —

اس وقت تک جتنے تذکرے دستیاب ہوئے ہیں ان میں "نکات الشعرا" کو تقدم حاصل ہے - میر صاحب کے علاوہ بعض اور تذکرہ نویس بھی اس بات کے مدعی ہیں کہ سب سے پہلے ریختہ گو شعرا کا تذکرہ انھوں نے لکھا ہے - مثلاً قائم جس کے تذکرے کا سنہ تالیف ۱۱۶۸ ھ ہے یا خاکسار جس نے ۱۱۶۵ میں "معشوق چہل سالۂ خود" کے نام سے ایک تذکرہ لکھا - گارساں دتاسی نے غلطی سے یہ خیال کر لیا ہے کہ گردیزی کو بھی یہ دعویٰ ہے کہ اس کا تذکرہ سب سے پہلا ہے - حالانکہ اس نے کہیں ایسا

دعویٰ نہیں کیا اور اپنے دیباچے میں اُن تذکروں کی نا انصافی اور کم تحقیقی کی شکایت کی ہے جو اس سے قبل لکھے گئے ہیں' یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس نے اپنا تذکرہ میر صاحب ہی کے جواب میں لکھا ہے - خاکسار کے تذکرے کے متعلق میر صاحب فرماتے ہیں کہ ''علی‌الرغم ایں تذکرہ تذکرہ نوشتہ است بنام معشوق چہل سالۂ خود- احوال خود را اول از ہمہ نگاشتہ و خطاب خود سید الشعرا پیش‌خود قرار دادہ '' اس کی حقیقت ان چند سطروں سے ظاہر ہے - تذکرۂ گردیزی کا سنہ تالیف ۱۱۶۶ ھ ہے اور قائم کا ۱۱۶۸ ھ —

میر صاحب نے اپنے تذکرے کے سنہ تالیف کے متعلق کہیں کوئی صراحت نہیں کی - البتہ انند رام مخلص کے حال میں یہ فقرہ ان کی قلم سے ایسا نکل گیا ہے جس سے اس کی نسبت قیاس قائم ہو سکتا ہے- وہ لکھتے ہیں ''قریب یک سال است کہ در گزشت ' - یعنی جس وقت یہ تذکرہ زیر تالیف تھا اس وقت 'مخلص' کو مرے ایک سال ہوا تھا - مخلص کا سنہ وفات ۱۱۶۴ ھ ہے (ملاحظہ ہو خزانۂ عامرہ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۴۲۵) - لہذا یہ قیاس

بالکل بجا ہے کہ اس کا سنہ تالیف ۱۱۶۵ھ ہے - اور چونکہ گردیزی نے اپنا تذکرہ میر صاحب ہی کے جواب میں لکھا ہے جس کے متعلق میں تذکرۂ ریختہ گویاں مولفۂ گردیزی کے مقدمے میں مفصل بحث کر چکا ہوں ' اس لیے اس سنہ کی صحت کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے - البتہ اسی سنہ میں دو تذکرے اور تالیف ہوے تھے ایک "تحفۃ الشعرا" مولفۂ افضل بیگ قاقشال اورنگ آبادی اور دوسرا "گلشن گفتار" مولفۂ خواجہ خاں حمید اورنگ آبادی- لیکن ان کا علم میر صاحب کو مطلق نہیں تھا - بلکہ میر صاحب کے بعد بھی جس قدر مشہور تذکرہ نویس ہوے ہیں مثلاً قائم ' میر حسن ' مصحفی ' قاسم ' شوق وغیرہ وہ سب ان سے لاعلم تھے ـــ

چند تذکرے میر صاحب سے قبل بھی لکھے گئے تھے • مثلاً تذکرۂ سید امام الدین خاں بعہد محمد شاہ جس کا حوالہ میر حسن نے اپنے تذکرے میں دیا ہے * - تذکرہ خان آرزو ' مگر یہ تذکرہ فارسی شعرا کا ہے- تذکرۂ سودا' اس کا حوالہ دو جگہ قدرت اللہ قاسم نے اپنے تذکرے مجموعۂ نغز میں دیا ہے † لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

* دیکھو تذکرۂ میر حسن مطبوعۂ انجمن ترقیء اردو صفحہ ۱۷۳ -

† مجموعۂ نغز صفحات ۲۵ - ۲۹۸ جلد اول -

اُسے کچھہ غلط فہمی ہوئی ہے - غالباً وہ قائم کے تذکرے کو سودا کا سمجھا ہے - بہر حال میر صاحب کے سامنے ان میں سے کوئی تذکرہ نہ تھا اور نہ اب تک یہ دستیاب ہوے ہیں —

یہ تذکرہ اُس زمانے کے رواج کے مطابق فارسی میں ہے - اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں عموماً اور اکثر شعرا کے کلام پر منصفانہ اور بے باکانہ تنقید پائی جاتی ہے - یہ بات دوسرے تذکروں میں نظر نہیں آے گی - دوسرے ایجاز کے ساتھہ اُس کی عبارت میں شگفتگی اور پختگی بھی ہے —

بعض باتیں پہلے پہل اسی تذکرے سے معلوم ہوئی ہیں - مثلاً جو ریختہ شیخ سعدی شیرازی سے منسوب چلا آرہا تھا سب سے پہلے اس کی تردید میر صاحب ہی نے کی اور یہ بتایا ہے کہ یہ شاعر سعدیِ دکھنی تھا - یا میرزا جان جاناں کا نام جو عام طور پر مشہور ہے وہ اصل میں میرزا جان جاں ہے - اسی طرح ولی کو سب سے پہلے اورنگ آبادی میر صاحب ہی نے لکھا ہے - اگرچہ یہ امر متنازع فیہ ہے اور کوئی قطعی ثبوت اب تک بہم نہیں پہنچا کہ ولی

اورنگ آبادی تھا یا احمد آبادی —

میر صاحب نے ہر جگہ ریختہ کا لفظ استعمال کیا ہے البتہ دیباچے میں ایک جگہ ریختے کی تعریف کرتے ہوئے اردو کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن وہ بھی نسبت کے ساتھ —

"ریختہ کہ شعر یست بطور شعر فارسی بزبان اردوئے معلای شاہجہاں آباد دہلی" - ذکر میر میں بھی ریختے کی یہی تعریف کی ہے، صرف آخری لفظ بدل دیے ہیں-

"ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اردوے معلی بادشاہ ہندوستاں" -

تنہا اردو کا لفظ زبان کے معنوں میں کہیں استعمال نہیں کیا - ایک جگہ کمترین کے حال میں مراختہ کا لفظ بھی لکھا ہے - یہ لفظ اُس زمانے میں فارسی مشاعروں کے مقابلے میں رائج ہوگیا تھا —

"گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ ایں لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ اند، ملاقات می شود" (صفحہ ۱۲۷) -

یہ بات آج کل عجیب معلوم ہوگی کہ میر صاحب ہندوستان سے دلی مراد لیتے ہیں - چنانچہ میر عزلت

کے ذکر میں لکھتے ہیں —

" تازہ وارد ہندوستان کہ عبارت از
شاہجہاں آباد است "

اُس وقت در حقیقت دلی سارے ہندوستان کا دل تھی - یہاں کی ہر بات دوسروں کے لئیے سند تھی خصوصاً زبان کے معاملے میں یہ فضیلت کبھی کسی شہر کو حاصل نہ ہوئی ہوگی —

ایک معاملہ البتہ سمجھہ میں نہیں آیا - میرصاحب نے اس تذکرے میں اپنے ماموں سراج الدین علی خاں آرزو کا بڑے ادب اور احترام سے ذکر کیا ہے اور مرزا معز فطرت کے حال میں "اوستاد و پیر و مرشد بندہ" کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے - لیکن ذکر میر میں انھوں نے خان آرزو کی بد سلوکی' بے مروتی اور دل آزاری کی ایک ایسی دردانگیز داستان لکھی ہے کہ جسے پڑہ کر نہایت افسوس اور رنج ہوتا ہے - ان دو متضاد بیانات کو پڑہ کر آدمی گومگو میں پڑ جاتا ہے - میرا خیال یہ ہے کہ تذکرہ عام تالیف تھی جو ہر کس و ناکس کے ہاتھہ میں جانے والا تھا اور ذکر میر آپ بیتی ہے جس میں

مصنف نے اپنے حالات بے کم و کاست بیان کردیے ہیں۔ گویا یہ ایک قسم کا روزنامچہ ہے۔ تذکرے کو انھوں نے تذکرے ہی کی حیثیت تک رکھا ہے اور اُس میں اپنے ذاتی حالات اور خانگی قضیوں کا نام تک نہیں آنے دیا۔ اس سے میر صاحب کی سلامت طبع اور سلامت ذوق کا پتا لگتا ہے۔

میر صاحب کی شہرت اُن کے شعر و سخن بلکہ غزل کی وجہ سے ہے، لیکن ان کی نثر کی یہ دو کتابیں یعنی نکات الشعرا اور ذکر میر بھی اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ اس سے ان کی پاکیزہ فارسی نثر نگاری ہی کا اندازہ نہیں ہوتا بلکہ ان دو کتابوں کا اردو ادب سے بھی گہرا تعلق ہے۔ اور ان کی بدولت ایسی معلومات تک دسترس ہوتی ہے جو کہیں اور نہیں ملتیں اور بعض ایسی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے جو ایک مدت سے چلی آرہی تھیں۔ نکات الشعرا شروع سے آخر تک دلی میں لکھا گیا ہے۔ اور سوائے دکن کے چند شعرا اور بعض قدیم ریختہ گوشعرا کے باقی سب کے سب دلی کے شاعر ہیں اور ان میں بھی اکثر ایسے جن سے میر صاحب بذات خود واقف تھے۔ یہ میر صاحب کی ابتدائی تصنیف اور عالم جوانی کی مشق ہے۔ اس وقت

ان کی عمر تقریباً ۲۹ برس کی ہوگی - لیکن عبارت کی متانت اور شگفتگی، تنقیدی نظر اور نکتہ رسی سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا ذوق ادب اور ذوق سخن ابتدا سے بہت صحیح اور سلیم تھا —

ہم نے یہ تذکرہ ایک مستند قلمی نسخے سے طبع کیا ہے - جیسا کہ کتاب کے ترقیمے سے معلوم ہوگا یہ سید عبدالولی عزلت کے لیے لکھا گیا تھا - میر صاحب عزلت کے علم و فضل اور بزرگی اور اُن کے کلام کی خوبی کے قائل ہیں اور عزلت بھی میر صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے تھے - میر صاحب نے اپنے تذکرے میں سید صاحب کی بیاض سے استفادہ بھی کیا ہے - تذکرے کی کتابت سنہ ۱۱۷۲ ھ کی ہے یعنے تصنیف سے سات سال بعد لکھا گیا ہے - خط بھی صاف اور شیریں ہے —

عبدالحق

معتمد انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد دکن

۶ جون ۱۹۳۵ ع
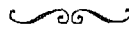
بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد سخن آفریں کہ اوست سزاوار تحسین و درود نامحدود برآن شفیع المذنبین و علی آلہ اجمعین کہ مقصود بود از آسمان و زمین - پوشیدہ نماند کہ در فن ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اُردوے معلی شاہ جہان آباد دہلی' کتابے تا حال تصنیف نشدہ کہ احوال شاعران این فن بصفحۂ روزگار بماند - بناءً علیہ این تذکرہ کہ مسمی بہ نکات الشعرا ست نگاشتہ می شود -

اگرچہ ریختہ در دکن است' چون از آنجا یک شاعر مربوط برنخواستہ لہذا شروع بنام آنہا نکردہ و طبع ناقص مصروف اینہم نیست کہ احوال اکثر آنہا ملال اندوز گردد' مگر بعضے از انہا نوشتہ خواہد شد' انشاء اللہ تعالیٰ امید کہ بدست ہر صاحب سخنے بیاید بنظر شفقت بکشاید -

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

مجمع کمالات و صاحب حالات، فضائل او اظہر من الشمس است - احوال امیر مذکور در تذکرہ ہا مسطور، نوشتن این احقر العباد فضولیست - اشعار ریختہ آں بزرگ بسیار دارد، دریں خود تردد نیست - ازانجملہ یک قطعہ تیمناً نوشتہ آید -

زرگر پسرے چو ماہ پارا کچھہ گھڑئے سنوارئے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست پھر کچھہ نہ گھڑا نہ کچھہ سنوارا

مرزا عبد القادر 'بیدل'

شاعر پرزور فارسی، صاحب دیوان پنجاہ ہزار بیت و مثنویات وغیرہ - اوائل جوانی نوکر شاہزادۂ محمد اعظم شاہ بود - بعد از چندے ترک روزگار گرفتہ فروکش کرد - از مذاقِ شعر او دریافتہ می شود کہ بہرۂ کلی از عرفان داشت - احوالش مفصلاً در تذکرہ ہا مرقوم است - دو شعر ریختہ بنام او شنیدہ می شود، شاید بتقریبے گفتہ باشد - ازوست -

مت پوچھہ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اُس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا 'بیدل' کہاں ہے ہم میں
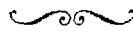
سراج الدین علی خان 'آرزو'

آب و رنگِ باغِ نکتہ دانی ' چمن آرائے گلزار معانی ' متصرف ملک زور طلب بلاغت ' پہلوان شاعرِ عرصۂ فصاحت، چراغِ دودمانِ صفاے گفتگو کہ چراغش روشن باد ' سراج الدین علی خاں آرزو سلمہ اللہ تعالی ابداً - شاعر زبردست قادر سخن عالم فاضل تا حال همچو ایشاں بہندوستان جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایران می رود - شہرۂ آفاق' درسخن فہمی طاق' صاحب تصنیفات دہ پانزدہ کتب و رسالہ و دیوان و مثنویات - حاصل کمالات او شان از حیزۂ بیان بیرون است - همہ اوستادان مضبوط فن ریختہ هم شاگردان آں بزرگوار ند - گاهے براے تفنن طبع دوسہ شعر ریختہ فرمودہ ایں فن بے اعتبار را کہ ما اختیار کردہ ایم اعتبار دادہ اند تبرکاً نوشتہ آمد -

جان تجھہ پر کچھہ اعتماد نہیں
زندگانی کا کیا بھروسا ھے

مے خانہ بیچ جاکر شیشے تمام توڑے
زاھد نیں آج اپنے دل کے پھپولے پھوڑے

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ھیں تیرے شہیدوں کے

وعدے تھے سب خلاف جو تجھہ لب سے ھم سنے
یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

ھر صبح آوتا ھے تیری برابری کو
کیا دن لگے ھیں دیکھو خورشید خاوری کو

مرزا معز 'فطرت' موسوی خان

کہ 'موسوی خاں' خطاب است - معز و فطرت و موسوی ھر سہ تخلص میکند - احوال او من و عن در تذکرۂ سراج الدین علی خاں صاحب کہ اوستاد و پیر و مرشد بندہ است مسطور- ھمچو مسموع است کہ ایں شعر ریختہ شاعر مرقوم گفتہ واللہ اعلم -

از زلفِ سیاہِ تو بدل دھوم پڑی ھے
در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ھے
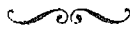
مرزا جانِ جاں

مظہر تخلص - مرد یست مقدس ، مطہر ، درویش ، عالِم ، صاحب کمال ، شہرۂ عالم ، بے نظیر ، معزز ، مکرم - اصلش از اکبر آباد است - پدر او مرزا جان نام داشت - از فرط شفقت مرزا جانِ جاں میگفت - ازیں سبب بہمیں اسم موسوم است - بندہ بخدمت او رفتہ سعادت اندوز گشتہ است - اکثر اوقات در یاد الٰہی صرف میکند - خوش تقریر بمرتبۂ است کہ در تحریر نمی گنجد - دیوان مختصر شعر فارسیء او بنظر فقیر مؤلف آمدہ است - از سلیم و کلیم پایے کمی ندارد - اگرچہ شعر گفتن دون مرتبہ است لیکن گاھے متوجۂ ایں فن بے حاصل نیز میشود - انعام اللہ یقین و حزین کہ شاعر ریختہ اند شاگردان اُویند - غرض مرزا عجب کسے است -

خدا کے واسطے اسکوں نہ ٹوکو
یہی ایک شہر میں قاتل رہا ھے

جواں مارا گیا خوبوں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھہ تھا خوب کام آیا

مرتا ہوں میرزائیء گل دیکھہ ہر سحر
سورج کے ہاتھہ چونری و پنکھا صبا کے ہاتھہ

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منہ لگایا ہے سجن نیں بیرۂ پاں کوں

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہاے کچھہ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

آتش کہو شرارہ کہو کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

گر گل کو گل کہوں تو ترے روکوں کیا کہوں
بولوں نگہہ کو تیغ تو ابرو کوں کیا کہوں
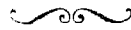
شاہ ولی اللہ اشتیاق

مردے بود ذی علم ' از اولاد شیخ الف ثانیست نبیسۂ شاہ محمد گل ' مولد او سرہند است . در کوٹلہ فیروز شاہ سکونت داشت - درویش متوکل ' گاہے فکر ریختہ میکرد - از وست —

لڑکوں کے پتھروں کی لگے کیونکہ اس کو چوٹ
ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ

چھوڑ کر تجکو ہمیں اور سے جو لاگ لگی
نہیں مہندی یہ تیرے تلووں سیتی آگ لگی

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں
کچھ ان کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں
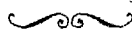
قزلباش خان 'اُمید'

مردے مغلے بود، شاعرِ غرائے فارسی، نکتہ پرداز، بذلہ سنج، کوچک دل، عزیز دلہا، یار باش، خوش اختلاط، ہمیشہ خنداں و شگفتہ رو بسر برد۔ داخل ذیل امراء بود و در ہر سیر و تماشا میرفت و صحبتہا میداشت، چنانچہ یکروز در عرس سید حسن رسول نما صاحب قدس سرہ العزیز بندہ نیز بہ تحریک یارانِ موافق رفتہ بود، و اوہم تشریف میداشت، چوں مرا از دور دید، گفت کہ خوش باشد کہ من ہم دریں ایام دو شعر ریختہ موزوں کردہ ام، بشنوید، از وست —

در و دیوار سے اب صحبت ہے
یار بن گھر میں عجب صحبت ہے

تیری آنکھوں کو دیکھہ ڈرتا ہوں
الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں
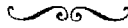
مرزا گرامی

پسر علی بیگ کشمیری است کہ قبول تخلص میکرد۔ نقلِ احوالِ او در تذکرۂ خان صاحب مرقوم است۔ چوں دیدکہ ہنگامۂ ریختہ گرم شدہ خودش نیز شعر ریختہ گفت بطورے کہ داشت و آن اینست —

حاضری بن محل نہیں کہاتا بیگمی ہے پلیر منعم کا
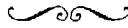
راے انند رام

'مخلص' تخلص مشہور ' از شاہ جہان آباد ست' وکیل نواب وزیر اعتما دالدولہ مغفور و مرحوم- شاعرے مقررے فارسی - در علفوان جوانی مشق سخن بخدمت مرزا بیدل میکرد - دریں ایام اشعار خود را از نظر خان صاحب سراج الدین علی خاں میگذرانید۔ از مدت

آزار نفث الدم داشت، قریب یکسال است که در گذشت - احوالش در تذکرهٔ خان صاحب مذکور مفصل مسطور است —

دھوم آونے کی کس کی گلزار میں پڑی ھے
ھاتھ ار گچے کا پیالہ نرگس لیے کھڑی ھے
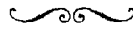
میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک

متخلص 'بآبرو' متوطن گوالیار، نبیسهٔ حضرت محمد غوث گوالیاری است نوراللہ قبرہ - از ابتداے جوانی در شاہ جہان آباد آمدہ، چنانچہ مشق سخن ھم اینجا کردہ - شاگردِ خان صاحب سراج الدین علی خاں است - از چشم پوشیِ روز گارِ دجال شعار یک چشمش از کار رفتہ بود - شاعر نادرہ گوے ریختہ، میگویند کہ طبعے شوخے داشت - غرض مستغلی وقت خود بود، کہ عہد محمد شاہ باشد، خداش مغفرت بکند - از وست —

آیا ھے صبح نیند سے اُتھ رسمسا ھوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ھوا

جدائی کے زمانہ کی میاں کیا زیادتی کہیے
کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا

بوسہ لبوں کا دینے کہا کہہ کے پھر گیا
پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاوں گا اس گلی
ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے
یہ روٹھہ روٹھہ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹکنا

فرہاد کا دل کوہ کو مے کا بھرا پیالا ہوا
مستی سے جس کے شوق کی ہر سنگ متوالا ہوا

دل کے اوپر بہار میں احوال سخت دیکھہ
دے مارتی ہے باغ میں سر کو کلی اتھا

یہ سبزہ اور یہ آب رواں اور ابر یہ گہرا
دوانا نئیں میں کہ گھر میں رہوں اب چھوڑ کے صحرا

گریہ ہے مسکرانا تو کس طرح جییں گے
تم کو تو یہ ہنسی ہے پر ہے مرن ہمارا

یارو ذرو کمر سے مروڑو نہ پھر کے انگ
آجا کہیں لچک تو ابھی لاگ جائے للگ

دور خاموش بیٹھہ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہوا ہوں میں
یہاں لگ ہنر میں عشق کے کامل ہوا ہوں میں

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
چاک اگر ہو گیا بگولا ہے

آغوش میں بھواں کی کرتی ہیں قتل آنکھیں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خون ہوا ہے

کرتے تو ہو تغافل پر حال آبرو کا
دیکھو تو تم بھی پیارے بے اختیار رو دو

نہیں یہ تارے بھرے ہیں شک کے نقط
اس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

اگر بجائے 'اس قدر' 'کس قدر' می گفت این شعر بآسمان می رسید ـ

مجھ ناتواں کی حالت وہاں جا کہے ہے اوڑ کر
میرا یہ رنگ رو ہے گویا مُکھی کبوتر

عالمِ آب سیں آساں نہیں اے شیخ گزر
خوف سے غرق کے یہاں بحر ہے کشتی میں سوار

خوب تیری شکل آسکتی نہیں تصویر میں
مدتیں گذریں مصور کھینچتا ہے انتظار

کریں جو بند گی ہوویں گنہگار
بتوں کی کچھ نرالی ہے خدائی

'آبرو' کے قتل پر حاضر ہوا کس کر کمر
خون کرنے کوں چلے عاشق پہ تہمت باندہ کر

زندگی ہے سراب کی سی طرح
باو بندی حباب کی سی طرح

تجھ اوپر خون بے گناہوں کا
چڑہ رہا ہے شراب کی سی طرح

کون چاہے گا گھر بسے تجھ کو
مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

کیوں چھپا ظلمت میں گر تجھ لب سے شرمندہ نہ تھا
جان کچھ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

مجلس رنداں میں مت لے جا دل بے شوق کو
شیشۂ خالی کو کیا عزت ہے میخوار اں کے بیچ

کچھہ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوے گی
اس دل بے قرار کی صورت

نہ تھا کچھہ اور میرے شوق کا حسن و صفا باعث
یہی پیاری طرح موجب یہی کا فر ادا باعث

تم اور گل رخاں سے اب آنکھہ جو لگائے
بادام کو پیارے پھولوں کے بیچ باسا

دل تو دیکھو آدم بیباک کا
عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا

سجن اوروں کا تشنہ ہو کے سنتا اور سب کہتا
مگر ایک آبرو کی بات جب کہتے تو پی جاتا

انسان ہے تو کبر سے کہتا ہے کیوں آنا
آدم کو تو سنا ہے کہ ہے خاک سے بنا

رہتےہیں جیو میں مصرع دل چسپ کی طرح
گھر بار ہو ہے سرو قدوں کا برائے بیت

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بے حاصل ہے یہ
لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے یہ

زلف کی شان مکھ اوپر دیکھو
کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے

کیا ہوا مرگیا اگر فرھاد
روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

تمھاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

یوں آبرو بناوے دل میں ہزار باتیں
جب رو برو ہو تیرے گفتار بھول جاوے

اب دین ہوا زمانہ سازی
آفاق تمام دھریا ہے

جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندہ گانی ہیچ ہے

زندگانی تو ہو طرح کاتی مر کے پھر جیونا قیامت ہے

اُتھ چیت کیوں جلوں ستی خاطر نچلت کی
آئی بہار تجکوں خبر ہے بسنت کی

جہاں تجھہ خو کی گرمی تھی نہ تھی کچھہ آگ کو عزت
مقابل اس کے ہو جاتی تو آتش لکڑیاں کہاتی

لٹک چلنا سجن کا بھولتا نہیں اب تلک مجکو
طرح وہ پانوں رکھنے کی میری آنکھوں میں پھرتی ہے

اس کی کنجی زبان شیریں ہے
دل مرا قفل ہے بتاسے کا

حسن ہے پر خوبرویاں میں وفا کی خو نہیں
پھول ہیں یہ سب پر ان پھولوں میں ہرگز بو نہیں

قیامت کیا تم تک ایک ہنس کے بولے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا
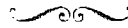
میاں شرف الدین

مضمون تخلص، مردے بود نوکر پیشہ، متوطن جاجمؤ که قصبه است متصل اکبرآباد - حریف ظریف، هشاش بشاش، هنگامه گرم کن مجلسها، هرچند کم گو بود لیکن بسیار خوش فکر و تلاش لفظ تازه زیاده - دیوانش

بهمه جهت دو صد بیت خواهد بود- از شروع جوانی به شاه جهان آباد آمده ، و در زینت المساجد سکونت داشت، آخرالامر همین جا فوت کرد - از احفاد حضرت شیخ فرید شکر گنج بود نور الله مرقده ، چنانچه خود میگوید —

کریں کیوں نه شکر لبوں کو مرید
که دادا همارا هے بابا فرید

شاگرد خان صاحب سراج الدین علی خان است - چوں دندانِ او بسببِ نزله همه اُفتاده بودند خان صاحب مذبور او را شاعر بیدانه می گفتند - فقیر زمان آخر او را دریافته بودم، بسیار گرم اختلاط، اگرچه برودت پیری غلبه داشت - اغلب که خدا مآلش بخیر مبدل کرده باشد - درین ولا این چند بیت از دیوان روزکده نوشته می‌شود * از وست -

جو دو پیاله سحر کو بھر کے اور دو شام کو لے گا
وہ تخت اپنے میں جوں خورشید چاروں جام کو لے گا

---

* یه فقرہ اصل نسخے میں اسی طرح درج هے ؛ غالباً روزدہ کی بجاے یہاں هفده کا لفظ هوگا جو انتخابی اشعار کی تعداد کو بتاتا هے ؛ میر صاحب نے غالباً یہی لکھا هے لیکن کتابت کی غلطی سے اصل عبارت مسخ هوگئی هے - مجموعهٔ نغز میں بھی ' مضمون ' کے حال میں اسی مطلب کا فقرہ بلا تغیر الفاظ موجود هے -

هم نے کیا کیا نہ تیرے غم میں اے محبوب کیا
صبرِ ایوب کیا گریہ یعقوب کیا

ایک تو تھا ھی وہ مہرو خود پسند
ہو گیا دیکھہ آرسی کے تئیں دو چند

ھنسی تیری پیارے پھلجھڑی ھے
یہی غنچہ کے دل میں گلجھڑی ھے

میکدہ میں گر سراسر فعل نامعقول ھے
مدرسہ دیکھا تو وھاں بھی فاعل و مفعول ھے *

ناحق ستم کسی پر وہ شوخ کد کرے ھے
دیتا ھے ٹانگ اس کو جو فعلِ بد کرے ھے

چھوٹتے سینوں سے یوں ہوا معلوم
تیری آنکھوں کے دو پلکے ھیں

میرا پیغام وصل اے قاصد
کہیو سب سے اُسے جدا کر کر

اتفاقاً من اشعار ایشانرا انتخاب میزدم، میاں محمد حسین کلیم کہ احوال اوشاں نیز خواھد آمد انشاءاللہ تعالیٰ اوشان نیز نشستہ بودند۔ من ایں شعر را پیش مشارٌ الیہ خواندم و شعر ایں قسم بود —

---

* قایم نے یہ شعر یکرنگ سے منسوب کیا ھے۔ بقیہ تمام تذکرہ نگاروں نے میر صاحب کی تقلید کی ھے —

میرے پیغام کو تو اے قاصد کہیو سب سے اسے جدا کر کر

چوں ایں حرف موافق سلیقۂ شعرا بود لہذا ہمچناں نوشتہ آمد —

کرے ہے دار بھی کامل کو سر تاج
ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

کیا سمجھ بلبل نے باندھا ہے چمن میں آشیاں
ایک تو گل بیوفا اور تس پہ جور باغباں

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ
کروں کیا جو نہیں لگتا مرے ہاتھ

مہ رو نے بوجھ پکڑا مشکل ہوا ہے جینا
یارو خدا کرے خیر بھاری ہے یہ مہینا

خط آگیا ہے اس کے میری ہوی سفید ریش
کرتا ہے اب تلک بھی وہ ملنے میں شام صبح

نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ
ہوا ہے خون میرا آکے لبریز

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہے

مرا یہ اشک قاصد کی طرح یکدم نہیں تھمتا
کسی بیتاب کا گویا لیے مکتوب جاتا ہے

مضمون توں شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب
غصہ سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

شاعر مسطور بجاے 'اسم' 'نام' موزوں کردہ بود' اسم اصلاح خان صاحب است' وہ چہ اصلاح - زیرا کہ اہل دعوت اسم میخوانند نہ نام' فافہم —

مصطفی خان یکرنگ

یکرنگ' شاعر ریختہ' معاصر میاں آبرو - میگویند کہ بسیار چسپاں اختلاط و آشناے درست بود - بندہ از احوال او خوب اطلاع ندارم - از وست —

لب شیریں سے بے زبانوں کو بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو یہی گویا سلام ہے تیرا
ترک عاشق نیں ننگ و نام کیا کام اپنا جو تھا تمام کیا

اس قدر کیا ہے حمایت غیر کی
ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

جب سیتی گل رخوں سے یار ہوا
خلق کی میں نظر میں خوار ہوا

خلق 'یکرنگ' کی ہوئی دشمن
جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا

در مرثیہ امام حسین صلواۃ اللہ علیہ گفتہ -

زخمی برنگ گل ہیں شہیدانِ کربلا
گلزار کے نمط ہے بیابانِ کربلا

کہانے چلا ہے زخم ستم ظالموں کے ہاتھہ
دھو ہاتھہ زندگی ستی مہمانِ کربلا

اندھیر ہے جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھہ
ہے سر بریدہ شمع شبستانِ کربلا

سنتا نہیں ہے بات کسی کی تو اے سجن
تجکو ترا غرور نجانوں کرے گا کیا

خون دل کا مجھے شراب ہوا جگر سوختہ کباب ہوا

اِتا ہے مست اپنے حسن کی مے سے سجن میرا
کہ کہاتا ہے بیاں کرنے سیتی لغزش سخن میرا

نہ کر گوہر ستی ہرگز برابر اگر معلوم ہے رتبہ سخن کا

مجھے مت بوجھہ پیارے اپنا دشمن
کوئی دشمن بھی ہو ہے اپنی جاں کا

اگر آوے مرے گھر وہ پیارا
کروں اس ماہ کو پتلی کا تارا

مرا دشمن ہوا یکرنگ وہ شوخ
کیا کیوں عشق میں نیں آشکارا

کم نہیں کچھہ بوے گل سیتی فغانِ عندلیب
بوگ گل سے ہے گی نازک تر زبانِ عندلیب

زبانِ شکوہ ہے مہندی کا ہر پات
کہ خوبوں نیں لگاے ہیں مجھے ہات

مسخر حسن کے شاہ و گدا ہیں
رکھے ہیں خوبرو ظاہر کرامات

خیال چشم و ابرو کر کے تیرا
کوئی مسجد گیا کوئی خرابات

یاد آتی ہے تازگئی بہار
دیکھہ ہر خشک خار کی صورت

سچ کہے جو کوئی سو مارا جاے
راستی ہیگی دار کی صورت

با عتقاد فقیر بجاے "سچ" حرف "حق" اولی است -

پھر گیا ہاے ہم سے وہ مہرو
سرد مہری سنی ہوا کی طرح

ہوا نہ راحت جاں مہرباں حیف
مری محنت گئی سب رائگاں حیف

بنا بر مصلحت ہے یہ جو تم سے
رہا ہے روٹھہ دن دو چار یکرنگ

محبت کا عجب یکرنگ ہے رنگ
کبھی عاشق کبھی معشوق ہیں ہم

برنگ شمع دایم تجھہ لگن میں
سجن روتے پھرے ہم انجمن میں

تا گلے تیرے لگوں اے یار میں
روتھتا ہوں اس سبب ہر بار میں

کیوں کھینچتے ہو تیغ سجن ہم میں دم نہیں
پنہاں نگہ تمہاری یہ کپٹنی سے کم نہیں

کہتے ہیں ہم پکار سنو کان دھر سجن
گو غیر سے ملوگے تو دیکھوگے ہم نہیں

تجھہ زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال
یکرنگ کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

دل مرا لے کے جو دبدھا میں پڑے ہو اس بھانت
کیا سجن اس کا کوئی جگ میں خریدار نہیں

پارسائی اور جوانی کیوں کے ہو
ایک جاگہہ آگ پانی کیوں کے ہو

اُس پری پیکر کو مت انسان بوجھہ
شک میں کیوں پڑتا ہے اے دل جان بوجھہ

برگ حنا اوپر لکھو احوال دل میرا
شاید کبھی تو جا لگے اُس دلربا کے ہاتھہ

جو کوئی توڑتا ہے غنچۂ گل
دل کو میرے شکستہ کرتا ہے

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے
میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لینی ہے تو لے صیاد
ھاتھہ سے پھر شکار جاتا ہے

لگے ہے جاکے کانوں میں بتوں کے
سخن یکرنگ کا گویا گہر ہے

کیا جانیے وصال تیرا ھو کسے نصیب
ھم تو ترے فراق میں اے یار مرگئے

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے
نہ مجھہ کو وہ دماغ اور دل رہا ہے

اب تو تمھیں نباہے ھی ھم سے سجن پڑے
ھم سب طرف سے ھار تمہارے گلے پڑے

یکرنگ پاس کیا ہے سجن اور کچھہ بساط
رکھتا ہے دو نین جو کہو تو نظر کرے

جس کے درد دل میں کچھہ تاثیر ہے
گر جواں بھی ھو تو میرا پیر ہے

چشم پیارے کی دیکھہ مژگاں میں
گویا سبزے کے بیچ آھو ہے

اس کو مت بوجھو سجن اوروں کی طرح
مصطفیٰ خاں آشنا یکرنگ ہے

اگر شعر من می بود پیش مصرع ایں قسم موزوں می دادم :-

مت تلون اُس میں سمجھے آپ سا

محمد شاکر ناجی

جوانے بود آبلہ رو، سپاہی پیشہ، مزاجش بیشتر مائل بہزل بود - معاصر میاں آبرو - بندہ با او یک ملاقات کردہ ام - شعر ہزل خود می خوانَد و مردمان را بخندہ می آورد و خود نمی خندید، مگر گاہے تبسمے می کرد۔ وطنش شاہ جہان آباد - جوان از جہان رفت - اشعار چستہ چستۂ او انتخاب کردہ نوشتہ می شود -

روا کب ہے مجھہ اوپر تیغ کو ہر دم علم کرنا
میری تقصیر بھی کچھہ کی ہے ثابت یا ستم کرنا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل
کٹی یہ بھی گھڑی تجھہ عمر سے اور تو نہیں چیتا

نمکین حسن دیکھہ کر پی کا رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا

دیکھہ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھہ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

بر متامل پوشیدہ نیست کہ پیش مصرع ایں

چلپن میبایست، مصرع :-

مت رکھے چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی

گو سلیماں کا تخت دیں مت لے
کہ سب آخر کو جائے گا برباد

تری نگاہ کی کثرت سے اے کماں ابرو
ہمارے سینہ میں تودا ہوا ہے تیروں کا

پیالہ پیوے ہے سو نہوروں سے
کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

کرلے کرم اے مہرباں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نہیں دیکھہ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

تکلیف کھینچے حد سے زیادہ رکھے جو فیض
گو نام کو ہما ہے یہ کھاوے کیا اپنے ہاڑ

ملنے کو نو خطاں کے واعظ برا کہے ہے
مجہول ہیں یہ باتیں ہم خوب جانتے ہیں

عید ہوتی تھی جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر
اب بتاویں طے کا روزہ دیکھہ کر مہمان کو

آج تو ناجی سجن سے کر تو اپنا عرض حال
مرنے جینے کا نہ کر وسواس ہونی ہو سو ہو

غم نہیں گر دلبری سے دل کو لے جاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

ھوا جب آئنہ میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھنا کیا ھے

سوجی ھے اپنے دل کا مچھوی نہ دے کھیے سے
اور اب مخالفوں نیں وہ بات ھی ڈبوئی

نہ جانا یہ کہ اُس پر کئی موے ھیں
عبث کرنے گیا میں گور پر گور

نرگس کے تئیں میں ھرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھیں ھیں میں نے آخر پیارے تمھاری آنکھیں

دیکھہ دلبر تیری کمر کی طرف
پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

حشر میں پاک باز ھیں ناجی
بد عمل جائیں گے سقر کی طرف

مجکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا
لے چلا جب دل کے تئیں منہ دیکھتا میں رہ گیا

ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا پہ زلف
حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں بہہ گیا

اغنیا کے در بدر مقدور جب تک ھو نہ جا
سخت حاجت ھو تو جا لاچارگی ھے جا ضرور

چاھئے اشراف کو مفلس ھو مجلس میں نہ جا
گو کہ وہ دبلا نہ ھو پر بوجھتے ھیں سب حقیر

جہاں دل بند ہو ذاجی کا وھاں آوے خلل کرنے
رقیب لا ولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ھے
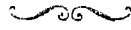
اشرف الدین علی خان ”پیام“

شاعرِ قرار دادِ شاعرانِ فارسیء عہد خود بود و صاحبِ دیوانِ ریختہ نیز - از خاک پاک اکبر آباد است - بندہ اکثر ملاقات کردم ' چنانچہ با میاں نجم الدین علی سلام کہ خلف الصدق اوست فقیر را اخلاص دلیست - همیشہ اتفاق باهم نشستن و فکر شعر کردن و گپ زدن می اُفتد - احوال او هم نوشتہ خواهد شد انشاء اللہ تعالیٰ - از وست :-

بات منصور کی فضولی ہے ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

دلی کے کجکلاہ لڑکوں نیں
کام عشاق کا تمام کیا

کوئی عاشق نظر نہیں آتا
ٹوپی والوں نیں قتل عام کیا
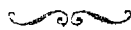
میاں احسن اللہ

مردے بود معاصر میاں آبرو ' طبعش بسیار مائل بہ ایہام بود ' ازیں جہت شعر او بے رتبہ ماند - دیگر احوالش معلوم من نیست - از وست -

یہی مضمونِ خط ہے احسن اللہ
کہ حسنِ خوبرویاں عارضی ہے
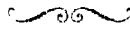
میاں سعادت علی

از سادات امروہہ بود - مردے سلیم الطبع ' کم سخن ' متواضع - سعادت تخلص می کرد - فی الجملہ چاشنیء درویشی داشت - شعر او خالی از لطف نیست - با بندہ ربط بسیار داشت - از وست -

کس سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو وہ تیل میں ڈالے ہے ہات

ہوش کھودیتی ہیں میرا اُس کی آنکھیں مے پرست
بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں ہوجاتا ہوں مست

کیا صید آہوے دل آسواری سے میاں تم نے
کمر کی ڈاب نہیں کھولی گویا چیتے کی ڈوری تھی

واللہ جو سر لوح تیرا نام نہ ہوتا
ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں
یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

اہل زر کے سیم تن ہوتے ہیں رام
صید ہوہیں جس جگہ دیکھیں ہیں دام

پپیہے کی طرح دارو کے شیشے
زبان حال سے کہتے ہیں پی پی

بینوا تخلص

احوال او بہ تحقیق نہ پیوندد - در وقت محمد شاہ بادشاہ سنکرن نام جوہری جوتے فروشے را کشت-با بت او بلوا شد، چنانچہ جوتے فروشاں در جامع مسجد مانع خطبہ گشتند - ظفر خان روشن الدولہ کہ بطرہ باز شہرت دارد، جوہری مذکور را پناہ داد - آخر ہنگامہ برپا شد، و جنگ عظیم درمیانِ امرایانِ عظام افتاد - بسیار از طرفین بقتل رسیدند - ظفر خاں تاب نیاورد و گریخت- ازیں سانحہ ایں قسم خفت کشید کہ ازاں باز از خانہ

بدر نیامد - آں قصہ را شاعرِ مسطور در مخمس بست کہ هنوز بر السنہ مذکور است، از وست -

یہ کیا ستم ہے اے فلک ہرزہ نابکار
مریخ پھر کے تیز کیا ہے خنجر کی دھار

جوتے فروش مرد مسلمان دیندار
مردود جوهری نیں لیا ہے ستم سے مار
سنگ جفا سے چور کیا لعل آبدار

کتنوں کو مار جی سے قضا نے گرا دیا
کتنوں کو جی بچا کے بہت هڑبڑا دیا

کاغذ پہ بینوا نے یہ سن کر چڑھا دیا
لگتے هی مار جوتیوں طرہ گرا دیا
تا حشر هر زبان پہ رهیگا یہ یادگار

عطا
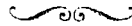
نام او یا شیے گذشتہ است در عہد عالمگیر بادشاہ - از وست -

اے در نبرد حسن تو کشتہ بچار چشم
زیرِ مژہ نہفتہ چو آهو بچار چشم
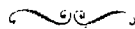
میر جعفر

بہ جعفر زٹلی مشہور است، نادرۂ زمان و اعجوبۂ دورانِ خود بود۔ زبانِ گزندہ داشت، وضیع و شریف ہمہ ازو ملاحظہ می کردند، و چیزے می دادند - چوں بخانہ کسے می آمد، دو کاغذ ہمراہ گرفتہ می آمد، بر یکے پارچہ ہجو صاحب خانہ و بر دیگر مدح اورا - اگر مدارا ازو میدید، مدح می خواند، وگرنہ پرچۂ کاغذ ہجو را بال شہرت می داد - ہجو محمد اعظم شاہ پسر عالمگیر بادشاہ، کہ در رقعات عالمگیری بہ عالیجاہ امتیاز دارد کردہ :-

چہارم پسرتو ہنی کا جنا برج میں رہے جوں ... ...

القصہ شعر ہزل بسیار دارد - چوں پیش اعظم شاہ باریاب شد، ایں شعر در مدح او بداہتاً گفت -

نگینِ سلیماں کہ تا بندہ بود
ہمیں اسم اعظم بر آں کندہ بود

صلۂ لایق بجایزۂ ایں مطلع یافت - نقل است کہ روزے بخانۂ مرزا بیدل آمد و بروے مرزا ایں مصرع خواند :- ع

چه عرفی چه فیضی به پیش تو پیش

مرزا ازین معنی بسیار تر آمد و زود رخصت کرد
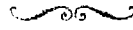
مرزا رفیع

المتخلص بسودا' که جوانیست خوش خلق خوش خوے' گرمجوش' یار باش' شگفته روئے - مولدِ او شاه جہان آباد ست - نوکر پیشه غزل و قصیده و مثنوی و قطعه و مخمس و رباعی همه را خوب می گوید - سر آمد شعراے هندی اوست' بسیار خوش گو است - بلاگرداں هر شعرش طرف لطف رسته رسته' در چمن بندی الفاظش گل معنی دسته دسته' هر مصرع برجسته اش را سرو آزاد بنده' پیش فکرِ عالیش طبع عالی شرمنده - شاعر ریخته' چنانچه ملک الشعرائی ریخته اورا شاید - قصیده در هجو اسب گفته به تضحیکِ روزگار' دور از حدِ مقدور در اُو صنعتها بکار برده - مطلعش اینست :-

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار

رکھتا نہیں ہے دستِ عناں کا بیک قرار

اکثر اتفاق طرح غزل با ہم می افتد - غرض از مغتنمات روزگار است، حق تعالیٰ سلامتش دارد - از وست:

بیکس کوئی مرے تو جلے اُس پہ دل مرا
گویا ہے یہ چراغ غریبوں کی گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھی پھر پیوں تو مزا ہے شراب کا

موج نسیم گرد سے آلودہ ہے نپٹ
دل خاک ہوگیا ہے کسی بے قرار کا

آہ کس طرح تیری راہ میں گھیروں کہ کوئی
سدہ رہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے
کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس مونھ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نہ کھینچ اے شانے ان زلفوں کو یہاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا

پرے رہ برق خارِ آشیاں میرے سے کہتا ہوں
اُڑے گا دھجیاں ہوکر ترا دامن جو یہاں اٹکا

سودا ہوے جب عاشق کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موج آتش ہے سیل آنکھوں کا
دل کا شاید کہ آبلہ پھوٹا

نہ جیا تیری چشم کا مارا نہ تیری زلف کا بندھا چھوٹا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی ان نے اب ڈاڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

جو گزری ہم پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ترا جیو مجھ سے نہیں ملتا مرا دل رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

ترے آگو سحر آنکھوں سے آنسو کیوں کہ چلتے ہیں
جو تو دریا پہ گزرے ہے تو پانی بہ نہیں سکتا

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں
تو بھی تک اُس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

یا جا کے اس گلی کو جہاں تھا ترا گزر
لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا

تسکین دل نہ اس میں بھی پاے تو بہر شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھہ سکیں تجکو غیر پاس
پر جو خدا دکھاے سو ناچار دیکھنا

کسی دیں دار و کافر کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہوچکی سودا کے جیو پر شام کیا ہوگا

سودا سے یہ کہا میں دل اس طرح سے کھونا
کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے ہونا

گل میرے مشہد پہ کب بھیجے ہے وہ ابرو کماں
طرح غنچہ کے کھلے جب تک نہ پیکاں تیر کا

سودا سے میں یہ پوچھا دل میں بھی دوں کسی کو
وہ کر کے بیان اپنی روداد بہت رویا

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہوگئے کونسے گلشن خراب

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست
میں پوجتا ہوں اس کو جو ہو آشنا پرست

کل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور
رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

یا تبسم یا نگہہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھہ بھی اے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح

منعم نہ مر بنائے عمارت کی فکر میں
یے سب حویلیاں تھیں جہاں تک ہے اب اُجاڑ

کتنا شگفتہ رو ہے کہ مانند آرسی
چھاتی کے جس کے روبرو کھل جائیں ہیں کواڑ

گذری جس غم سے مجھے زندگیٔ دہ روزہ
رکھے اِس غم کو خدا شہر محرم سے دور

عقل نیں ایک دن آکر یہ کہا سودا سے
خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کریو پیارے
جس کا ثمرہ رکھے تم کو دل عالم سے دور

انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز
میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز
جا بجا سوت ہیں پانی کے تہہ خاک ہنوز

'سودا' کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

اے لالہ گو فلک نے دئے تجکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اِک دل ہزار داغ

کون کہتا ہے مت اوروں سے ملا کر مجھ سے مل
جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل پر مجھ سے مل

رنگ گل بے طرح دھکے ھے سن اے ابر بہار
آشیاں میرا چھڑک لگتی ھے اب گلشن کو آگ

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ھوس تمام
ذرّہ بھی ھم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

تسلی اس دیوانے کی نہ ھو جھولی کے پتھروں سے
اگر سودا کو چھیڑا ھے تو لڑکو مول لو پھڑیاں

ظاھر میں دیکھنے کا کچھہ اسباب ھی نہیں
آوے مگر تو خواب میں سو خواب ھی نہیں

مجکو نہیں ھے دل میں ترے راہ کیا کروں
پُر بے اثر ھے عشق مرا آہ کیا کروں

کس کی ھیں یہ چمن میں صبا بد شرابیاں
توتی پڑی ھیں غنچوں کی ساری گلابیاں

نہ پوچ سنگ و گل اے شیخ اس صدا کو مان
مرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان

نہ غنچے گل کے کھلتے ھیں نہ نرگس کی کھلی کلیاں
چمن میں لیکے خمیازہ کبھی نیں انکھڑیاں ملیاں

عاشق کی بھی کتتی ھیں کیا خوب طرح راتیں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

بلبل خاموش ھوں جوں نقشِ دیوار چمن
نے قفس کے کام کا ھرگز نہ درکارِ چمن

نوک سے کانٹوں کی ٹپکے ہے لہو اے باغباں
کس دلِ آزردہ کے دامن کش ہیں یہ خارِ چمن

جیو تک تو دیکھے لوں جو تو ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجکو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

جادو بھری ہیں چشم مست آئنہ کو تو دیکھ
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ پلٹے نظر کہیں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

جرم ہے اس کی جفا کا کہ وفا کی تقصیر
کوئی تو بولو میاں منھہ میں زباں ہے کہ نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں
کچھہ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

اس کشمکش سے دام کی کیا کام تھا مجھے
اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

بہار باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو
ہوا ہو ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو

روا ہے کہہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریائے زہد چھپے راز عشق رسوا ہو

جو مہربان ہیں سودا کو مغتنم جانیں
سپاہی زادوں سے ملتا ہے دیکھیے کیا ہو

الٰہی ہے سکت نعم البدل کے تجھکو دینے کی
مجھے اس کا عوض تو کچھہ نہ دے پر پھیر لے دل کو

بوؤں میں تخمِ گل کو جہاں وہاں زقوم ہو
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو

اپنے چمن کو فائدہ کیا تجھہ سے اے نسیم
یہ جا ہے وہ کہ یہاں دمِ عیسیٰ سموم ہو

کعبہ کی زیارت کو اے شیخ میں پہنچوں گا
مستی سے مجھے بھولی جس دن رہ میخانہ

مت ہنس مرے رونے پر آسمان میں کہتا ہوں
تپکے ہے ابھی کوی قطرہ اثر آلودہ

نسیم بھی ہے چمن میں اور اب صبا بھی ہے
ہماری خاک سے پوچھو تو کچھہ رہا بھی ہے

قدم سنبھال کے رکھہ خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

سودا جہاں میں آکے کوئی کچھہ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں دل پُر آرزو لیے

غیرت عشق آنکر سودا تو پروانوں سے سیکھہ
شمع سے اپنا ہی ملنا دیکھہ جل جاتے ہیں وہ

کس قدر اب کے ہوا مست ہے ویرانہ کی
کسی لڑکے کو نہیں سدہ کسی دیوانہ کی

سودا کو جرم عشق پہ کرتے ہیں آج قتل
پہچانتا ہے تو یہ گنہگار کون ہے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھہ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

اس حال کے نبھنے کا کچھہ اسلوب نہیں ہے
یہ کجروشی ہم سے فلک خوب نہیں ہے

کہتا تھا بندا گوش تری زلف کے آگے
میں صبح قیامت ہوں مری شام یہی ہے

قاصد کے تئیں میں اپنے جو کچھہ کہ دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اُجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

جسدن تیری گلی کی طرف تک پَوں بہی
میں آپ کو جلا کے کروں خاک تو سہی

پہنچی نہ آہ تجکو مرے حال کی خبر
قاصد گیا تو ان نے بہی اپنی ہی کچھہ کہی

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھہ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

جس سر زمیں پہ جاکے روؤں تیری یاد میں
دھقاں کچھہ اُس زمیں میں بجز دل نہ بوسکے

نہ ضرر کفر کو نہ دین کا نقصاں مجھہ سے
باعث دشمنی اے گبر و مسلماں مجھسے

اس کی خو سے نہیں محرم انہیں رونے سیتی کام
کیا کیا چاھتے ھیں دیدۂ گریاں مجھہ سے

آگیا رات میں جوں دزد حنا تیرے ھاتھہ
ورنہ جا پانوں کو لاگا ھی تھا چوری چوری

تجھہ تیغ تلے کہہ تو رستم سے کہ سر دھر دے
پیارے یہ ھمیں سے ھو ھر کارے و ھر مردے

دل کے تئیں ایک عالم کہتا ھے خدا کا گھر
اے عشق اسے آتش دے ھے تو سمجھہ کر دے

کھلنے تو لگا ھے دل جوں غنچہ ھمارا بھی
لیکن نہ صبا تجھہ سے تا ھے بدم سردے

سینہ کو رستموں کے نگہہ تیری توڑ دے
آنکھوں کی ھر پلک صف محشر کو موڑ دے

مرجاں کا نخل ھوں نہ پھلوں برگ و بار سے
ٹپکے ھمیشہ خون مری شاخسار سے

خنجر طلب ھے مرگ سے ھر آھوئے حرم
دل پھر گیا ھے کس کی مژہ کا شکار سے

زاهد چلا ہے کعبہ کو اور برہمن کنشت
بندہ ہیں اُس کے ہم جو کسی دل میں گھر کرے

جگ میں شرابخوار کی تشہیر کے لئے
سودا جو محتسب ہو تو زاهد کو خر کرے

دولاب کی ہے حق بطرف مستی سے فریاد
پیمانہ کسی کے گلے کا ہار نہ ہووے

ہو دست خدائی میں تو یہ کیجے منادی
ظالم ہو جو کوئی سو طرحدار نہ ہووے

کر ذبح شتابی مجھے صیاد کہ یہ صید
ہاتھوں ہی میں تیرے کہیں مردار نہ ہووے

میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گزرے
نہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گزرے

مومن نہیں زنار سے میرے آگاہ
اس رشتہ کو ہے سبحۂ اسلام میں راہ

اُس بت کا برہمن ہوں کہ صوفی یا شیخ
کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

در منقبت جناب پاک مرتضوی صلوات اللہ
علیہ گفتہ، رباعی :—

ایوانِ عدالت میں تمہارے یا شاہ
کچھ ظلم کو ہے دخل عیاذاً باللہ

شیشه کا جو وهاں طاق سے رہتے هے پانوں
پتھر سے نکلتی هے صدا بسم الله

محمد کلیم
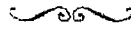
کلیم تخلص، از شاهجهان آباد است - مردے سپاهی پیشه، شاعر مقررے ریخته، بوضع خود، صاحب دیوان قصائد و مخمس و رباعی، طرزش بطرز کسے مانا نیست - اکثر بزبان مرزا بیدل حرف میزند، در فهم شعر ته دار او فکر عاجز سخنداں پشت دست بر زمین میگزارد، طبع روان او مانند سیل روا نست و فکر رسایش آں سوئے آسمان، بازوے فکرتش زورمن کش کمان معنی را، شعر پیچدار پر تا تیر او تیر کاکل ربا- اگرچه کلیم در فارسی گزشته است اما کلیم ریخته پیش فقیر اینست - قطع نظر ازانکه بنده را بخدمت او قرابت قریبه است یک اخلاص ته دلی دارم، و اکثر بحال این هیچمدان شفقت میفرماید - حق تعالیٰ سلامت دارد - از وست :-

آتی هے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم که یه شیشه سنگ تھا

درازیٔ شب ہجران زلف یار کلیم
نہ مجھہ سے پوچھہ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

ہوچکی حشر کئی دوزخ و جنت میں خلق
رہ گیا میں ترے کوچہ میں گرفتار ہنوز

ہر تار بیچ زلف کے عالم کی جان ہے
گویا یہ اژدہا تھا کہ سب کو نگل گیا

قربان اس اکڑ کے عجب یہ مزور ہے
آشفتہ ہو گئیں پہ نہ زلفوں سے بل گیا

میں بانکپن سے تیرے نہیں ڈرنے کا رقیب
گر دل میں ہے تو مجکو بھی للکار دیکھنا

کیا رقیب پردہ در کے آج میں ماری ہے میخ
حلقۂ در کے نمط گھر سے اُسے بیروں کیا

نہ کچھہ برا ہوا پرویز کا نہ شیریں کا
ترے ہی سر پر اے فرہاد جو ہوا سو ہوا

نشاں مجھہ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں
کہیں اُس طرف ویرانہ کے ہوگا

نقاب اپنے رخ کا جو تو باز کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کیا ناز کرتا

وفا کا ہوں پر بستہ نہیں توڑ پنجرا
چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

تجھے برق خار سے کام کیا جو حیا ہے حق کو تلف نکر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کف پائے آبلہ دار کا

لگا جب غیر سیتی ہم طبق ہونے وہ مہماں کش
وہ اپنے ہاتھ دھوتا تھا میں اپنے ہاتھ ملتا تھا

کیا ہوا زلف سے گرہ کھولی
میرے سر کا تو یہ گرہ نہ گیا

قبر میں بھی لئے ہمراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسو کو سونپا

وہی ایک ہے جو ان دونوں گھروں میں خلق ڈھونڈے ہے
پس اے زاہد اگر مسجد سے بت خانہ ہوا تو کیا

سر بھی ہے تیغ بھی ہے لگانا ہے تو لگا
کہیو نہ جان پھر کے کہ یہ جیو چھپا گیا

ناصح تجھ بغیر عجب میرا رنگ تھا
روشن تھی شمع آہ دل اُس پر پتنگ تھا

زبان موج سے یوں بحر کہتا تھا حبابوں سے
کہ اپنا سر ہی کھاتا ہے جہاں میں جلنے سر کھینچا

اے شمع تیری باری ہے شب کو کہ شام تک
اپنے دنوں کو جتنا میں رونا تھا رو چکا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز اے کلیم
آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

تو نہ آیا باغ میں شمشاد غم سے خم ہوا
طوق قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا

کس پریشاں نیں قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا

وہ نازک تن لطافت سے کسی کو نہیں نظر آتا
مقرر ایک جا تو ہے نہ کیا جانے کہاں ہوگا

وہی دیر وہی بت وہی مالا
یہی انشاء اللہ تعالیٰ

چھپا ہے آمری چشم پُر آب میں دریا
کہیں نیں دیکھا ہے ابتک حباب میں دریا

پاس ناموس محبت ہے مجھے ازبس کلیم
باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

دنیا نہ کر جوانوں سے یہ بوڑھا چوچلا
مدت سے ہم تو چھوڑے پھریں ہیں تجھے نپٹ

ہمیں تو پانوں پر بھی سر کے رکھنے کو نہ فرمایا
ملیں ہم خاک میں اور لے ترا داماں یا قسمت

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ
اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ مار پیچ

برق نظارہ سے از بسکہ جلا ہوں نکلے
نگہہ گرم جو کوئی ڈھونڈے مری خاکستر

لالہ و گل سے مجھے کام کیا میری وحشت
مجھ اوپر لائی ہے یک رنگ سے رنگ دیگر

زلف کو خواب میں دیکھا تھا جنوں سے شب کو
صبح بیدار ہوا پائی گلے میں زنجیر

بوسہ تو کچھ نہ تھا اے میری جان اس قدر
تسپر رہے ہو ہم سے برا مان اِس قدر

سو زخم کھا چکا ہے دل اُس پر جگر جلا
کہتا ہے مجکو زخم ہے ایک آرزو ھنوز

جو صدا آتی ہے اُس وادی سے ہے سینہ خراش
یہ کوئی دل روتا جاتا ہے نہیں بانگِ جرس

ہم گم ہوئے ہیں ضعف سے جوں بو میانِ باغ
پھرتا ہے رنگ گل کہ ھمارا کرے سراغ

جوں کعبتین گھر میں سرے گل ھی ہے بساط
یک مشت استخوان ھوں اور شش جہت سے داغ

جو دینا تھا مانگے بغیر از دیا ہے
کٹیے وہ زباں جو کہ اس پر ھو سائل

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

ہم سے پوچھو ھو پیوتے ھو شراب
ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

تم جام دو پیارے کیونکر کریں نہیں ہم
خون جگر تھا تو بھی پی ہی گئے وو ہیں ہم

تو یار مل کے ہم سے جب ایک ہو گیا ہو
کس کو بعید مانیں کس کو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو
یا تم ہی سب ہو ہم میں یا سب کے سب ہمیں ہم

طریق عشق میں مجنون و کوہ کن کے نہ کہہ
ہزاروں ہو گئے غارت سو ایک دو معلوم

مانند سرو ہوں کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے
بھکارِ باغ ہوں نہ سزاوارِ باغ ہوں

جب اصل مذاہب کو واعظ سیتی ہم پوچھا
تب ہم سے لگا کہنے قصہ و حکایتیں

رنگ اوڑا مرجھا گیا اور جھڑ پڑا شرمندہ ہو
تجھ سیتی گل پر ہوئی کیا کیا خرابی باغ میں

جمعہ کو کہتا تھا واعظ سے کھڑا اِک رند مست
کچھ نظر میں تجھے بھی سودوزیاں ہے کہ نہیں

یہ سخن ہے کہ نہ پی مے سو وہاں پیوے گا
یہاں تو پی لیجئے کیا جانئے وہاں ہے کہ نہیں

نے و طنبور میں یہ سوز تو معلوم اے مطرب
کسی کا دل ہوا ہے شاید اس پردہ میں آنالاں

کسی سے بھی نہ ملئے ایک گوشہ میں پڑے رہئے
یہ فرصت یہاں تو نہیں ملتی ہے مر جانے میں ہو تو ہو

تیر ہے یا سناں ہے تیری نگاہ
ہو گئی پار مجھ جگر کے آہ

روی جذاب میں آیا ہوں یا الٰہ نہ پوچھ
یہی کہ بخشدے اور مجھسے کچھ گناہ نہ پوچھ

کوئی گل کا میں عاشق نہیں یہ داغ مجھے بس ہیں
جاتا ہوں میں گلشن سے بلبل نہ ہو آزردہ

اب دم شمردگی سے مجھے کارو بار ہے
ہر دم مرے حساب میں روز شمار ہے

غرور حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

تواے باران رحمت اوج میں آموج سے اپنی
کہ یک قطرہ میں میری کشت کا بھی کام ہو جاوے

جہاں میں یہ میں نہیں جانتا کہاں تو ہے
پر اتنا جانوں ہوں سب توہی ہے جہاں تو ہے

میں کہتا تھا ساقی ایاغ اب کہاں ہے
نپٹتھ دیر کے تئیں دماغ اب کہاں ہے

اُس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہئے
اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہئے

دل پھر رہا ہے آبلۂ پا کی جوں کلیم
جز خار دشت کے میرا غم خوار کون ہے

گلرو تو چمن میں اچپلی سے نہ گیا
یہ دل بھی کلی سے بیکلی سے نہ گیا

جو کوئی کہ گیا چھوڑ گیا دل کو یہاں
کوئی دل سے تری گلی سے نہ گیا

ہر چند لگاتے ہیں بتاں گل مہندی
تیرے ہی قدم تلے گئی رل مہندی

ہیہات ہیہات کیسا ہوگا وہ ہات
جس ہاتھہ سیتی داغ ہوئی گل مہندی
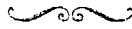
میاں صاحب میاں خواجہ میر سلمہٗ اللہ تعالیٰ

المتخلص بدرد ، جوش بہار گلستان سخن ، عندلیب خوش خوان چمن ایں فن ، زبان گفتگو یش گرہ کشاے زلف شام مدعا - مصرع نوشتہ اش بر صفحۂ کاغذ از کاکل صبح خوشنما - طبع سخن پرداز او سرو مائل چمنستان انداز ست - گاہے در کرچۂ باغ تلاش بطریق گل گشت قدم رنجہ می فرماید - در چمن شعرش لفظ رنگیں چمن

چمن، گلچین خیال اور اگل معنی دامن دامن - شاعر زور آور ریختہ ، در کمال علاقگی وارستہ ، خلیق ، متواضع ، آشنائے درست ۔ شعر فارسی هم می گوید اما بیشتر رباعی - گرمیء بازار وسعتِ مشربِ اوست - غرض از آشنائی مطلب اوست - متوطن شاہ جہان آباد ۔ بزرگ و بزرگ زادہ ، جوان صالح - از درویشی بهرۂ وافی دارد - فقیر را بخدمت او بندگی خاص است - اگرچہ حسن سلوک او عام ، سر حسن سلوک بپایے خود گرفتہ ، اعتزاز را از گوشۂ دل نہادہ - خلف الصدق حضرت خواجہ ناصر صاحب سلمہ اللہ است کہ مقتدائے عالم است - ایامے کہ فقیر بخدمت آں بزرگوار شرف اندوز میشد ، از زبان مبارکش می فرمود ، کہ میر محمد تقی تو میر مجلس خواهی شد - الحمد للہ والمنۃ کہ حرف آں سر سلسلۂ خداپرستان موثر اُفتاد ، باطن آں خضر قافلۂ اهل عرفان کہ از ظاهرش ظاهر تراست زود کار کرد - مجلس ریختہ کہ بخانۂ بندہ بتاریخ پانزدهم هر ماہ مقرر است ، واللہ بذات همیں بزرگ است ، زیرا کہ پیش ازیں ایں مجلس بخانہ اش مقرر بود ، از گردش روزگار بےمدار برهم

خورد - از بسکہ بایں احقر اخلاص دلی داشت گفت کہ
ایں مجمع را شما اگر بخانۂ خود معین بکنید ، بہتر است -
نظر بر اخلاص آں مشفق عمل کردہ آمد - خدا اش ابدالاباد
سلامت دارد - از وست -

کبھو خوش بھی کیا ہے جیو کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منھہ سے منھہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

بجھے شعلے بھی کتنے ، کتنی ہی موجیں متیں یارب
کبھو دل کی بھی ہوگا کام آخر اضطرابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یہاں فرصت ہستی
فلک نیں ہم کو سونپا کام جو کچھہ تھا شتابی کا

زمانہ کی نہ دیکھی جرعہ ریزی درد کچھہ تو نیں
ملایا مثل مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا
ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جیدھر پھریں وہ ابرو اودھر نماز کرنا

جگ میں آکر ایدھر اودھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نیں آنکھہ بھر دیکھا

نالہ و فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہوسکا سو کر دیکھا

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا

دیکھئے غم سے اب کے جیو میرا
نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا

دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا

قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بد خواہ نے کہا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

عاشق بیدل ترا یہاں تک تو جیو سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا

کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے خاک کا یہاں ڈھیر تھا

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یہاں
اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی تک راہ کا ہی پھیر تھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو ایک دن مرا جیو ہی جاتا رہے گا

میں جاتا ہوں دل کو تیرے پاس چھوڑے
مری یاد تجھہ کو دلاتا رہے گا

خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تو
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھہ سے نہ ہوسکا

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نیں تو درگزر نہ کی جو مجھہ سے ہوسکا

جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر
تو بھی تو درد داغ دل اپنا نہ دھو سکا

انداز وہ ہی سمجھے مری دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہوا ہو کسی کی نگاہ کا

ہر چند فسق میں ہیں ہزاروں ہی لذتیں
لیکن عجب مزا ہے فقط جیو کی چاہ کا

دل اس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی
اے بے خبر برا ہے یہ فرقہ سپاہ کا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نہ تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا
عاشق پھر جیو کے کیا کرے گا

اپنی آنکھوں میں اس کو دیکھوں
ایسا بھی کبھی خدا کرے گا

مژگاں تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہو سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

یہ حسن و عشق مل سمجھیں گے یا آپس میں خوں ہوگا
پر ان دونوں کے الجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہے

یارب سپہر اتنی تواب در گزر کرے
کوئی خانماں خراب کسو دل میں گھر کرے

نہ خانۂ خدا ہے نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں

میں اور مجھہ سے درد خریداری بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھہ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھہ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئنہ کے سامنے ہم آکے ہو کریں

ہر چند آئنہ ہوں پر اتنا ہوں نا قبول
منہہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نجا ابھی
دامن نچوڑیے تو فرشتے وضو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر
اے درد آکے بیعت دست سبو کریں

اس نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جیو بتنگ
جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں

مدت تلک جہان میں ہنستے پھرا کئے
جیو میں ہے خوب روئیے اب بیٹھہ کر کہیں

پھرتے تو ہو بناے سج اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں

ایک دل سو وہ بھی ہو ہی چکا صرف داغ سب
بہتا پھرے ہے خوں میں کہیں کا جگر کہیں

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
اے خانماں خراب ترا بھی ہے گھر کہیں

کہتے اُٹھا مکان معین فقیر کو
لازم ہے کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو ہر کہیں

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست
تو نیں سنا نہیں ہے یہ مصرع مگر کہیں

مست ہوں پیر مغاں کیا مجکو فرماتا ہے تو
پاے بوس خم کروں یا دست بوسیٔ سبو

قال دیدا اُس کو نت ہر طرح جوں قبلہ نما
پھر مجھے ہر پھر کے آ رہنا اُسی کے روبرو

ربط ہے ناز بتاں کو تو مری جاں کے ساتھہ
جی ہے وابستہ مرا اُن کی ہر ایک آن کے ساتھہ

اپنے ہاتوں کے ہی میں زور کا دیوانہ ہوں
رات دن کشتی ہی رہتی ہے گریبان کے ساتھہ

گر مسیحا نفسی ہے یہ ہی مطرب تو خیر
جیو ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر ایک تان کے ساتھہ

جی کی جی میں رہی کچھہ بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دید و وا دید تو ہوئی دور سے میری اُس کی
پر جو میں چاہا تھا وہ بات نہ ہونے پائی

قطعہ

اٹھ چلے شیخ جیو تم مجلس رنداں سے شتاب
ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی
جی میں مرکوز جو تھی آپ کی خدمتگاری
سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

فرصت زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے
دونوں عالم کا ایک عالم ہے
اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن
جو شجر ہے سو نخل ماتم ہے
درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے
زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے
تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تیری آرزو ہے اگر آرزو ہے
غنیمت ہے یہ دید و وا دید یاراں
جہاں آنکھ مند گئی نہ میں ہوں نہ تو ہے

روندے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یہاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے

پتھر تلے کا ہاتھ ہے غفلت کے ہاتھ دل
سنگ گراں ہوی ہے یہ خواب گراں مجھے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خون ہی رواں ہے
جو کچھ ہے دل میں میرے منہ پر میرے عیاں ہے

آھوں کی کش مکش میں کہیں دیکھیو نہ ٹوٹے
تار نفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے

یہ راہ خاکساری میں سر سے قطع کی ہے
نقش جبیں ہے میرا ہر نقش پا جہاں ہے

مت موت کی تمنا اے 'درد' ہر گھڑی کر
دنیا کو دیکھ تو بھی تو تو ابھی جواں ہے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے

دل دے چکا ہوں اُس بت کافر کے ہاتھہ میں
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

ماہی سے کچھہ نہ ہووے بیاں شست کی خلش
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہ ہووے
تو کوئی نظر قابل دیدار نہ ہووے

پھر موت کسو طرح سے نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

گزرے نہ ترے سامنے سے کوئی کہ وہیں
شیشہ کی طرح دل کی نگہہ پار نہ ہووے

دل ویسے ستمگار سے اظہار محبت
ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

دیکھہ لوں گا میں اُسے دیکھئے مرتے مرتے
یا نکل جاے گا جی نالہ ہی کرتے کرتے

لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یہاں مجلس ہی
خالی ہوئی جاے ہے پیمانہ کے بھرتے بھرتے

درد جوں نقش قدم تھا سر رہ اُس کے
مت گیا اوروں کے ہی پانوں کے دھرتے دھرتے

اپنے بندوں پہ جو کچھہ چاہو سو بے داد کرو
یہ نہ آجاے کہیں جیو میں کہ آزاد کرو

کوئی دم جو چھپ رہا تھا میں جانا کہ مر گیا
اے وائے 'درد' تونیں پھر اب نالہ سر کیا

ساقی ہوائے ابر میں رو رو کے تجھہ بغیر
ایسا ہوا کبھی نہ کہ دامن نہ تر کیا

وحدت نے ہر طرف تیرے جلوے دیکھا دئے
پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دئے

یارب تھی کیا خرام وہ جن نے ایک آن میں
کتنے ہی مردے حشر سے آگے جلا دئے

سیلاب اشک گرم نے اعضا میرے تمام
اے درد کچھہ بہادئے اور کچھہ جلادئے

میر سجاد

از اکبر آباد است، مرد طالب علم مستعد و شاعر خوب ریختہ، شاگرد میاں آبرو، 'سجاد' تخلص میکند - بسیار آدمی خوبے است سخن او بپایۂ اوستادی رسیدہ - چلیں خوشگو و معنی یاب اگرچہ در بند لفظ تازہ است، لیکن بر زبان خامۂ او خیلہاے معنی سپاہی می کند - لب و دہن ہر کم بغلے نیست، کہ پیش او چوں کاغذ سفید بشود - فکر رنگیں او چمن تلاش را سایۂ ابر بہارے، ہر

مصرع بندش را طرف لطف با چدا رے، هر بیت بحر خفیفش برجگر نشتر زن، زبان طاقت بیانش رگ سخن - بے انصافی امر علحدہ است وگرنہ تہ داری شعر او نمایاں است، هر کہ واقف موشگافئی طبع اوست می داند کہ شعر سوختہ پیچدارش بموے آتش دیدہ میماند - قبل ازیں بخانۂ او مجلس یارانِ ریختہ میشد - بندہ نیز میرفتم - اکنوں بسبب عوارضات طرفین ربط گو نماندہ است - از وست -

کافر بتوں سے داد نہ چاهو کہ یہاں کوئی
مر جا ستم سے ان کے تو کہتے هیں حق هوا

اگرچہ باطل باطل است، لیکن بجاے کافر کہ اول پیش مصرع واقع است با عتقاد فقیر لفظ باطل حق است -

گر تیرے کل کے آنے میں کھوئے نہیں حواس
سجاد کیوں پھرے هے سجن آج فق هوا

ساقی بغیر جام کے جیو کا بچاؤ نہیں
جیوں فیل مست آوے هے ابر سیہ پلا

کیوں مشت گِل بھی دل کی نہ رونے میں بہہ گئی
سجاد مجکو باقی هے چشموں سے یہ گلا

غم نہیں گر گُم هوا بالوں میں تیرے جا کے دل
پیچ پر تجھ، زلف کے گویا کہ اُس کو بل دیا

تجکو اے 'سجاد' غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھہ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

جو دل ہو گلوں سے اٹکتا ہوا
وہ کانٹا ہے جیو میں کھٹکتا ہوا

بتاں تو چاہتے 'سجاد' تجکو
کریں پر کیا خدا نے جو نچاہا

گر تک زمیں پہ لونڈے کی پیٹھ کو لگاویں
جانیں ہم اپنے دل میں رستم کے تئیں پچھاڑا

آتش غم نے ہم کو سرد کیا
دل پھپولا ہوا وہ درد کیا

بتوں کی بھی یہ یاد دو روز ہے
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

اب چلا لے تک آن کر ساقی عمر کا بھر چکا ہے پیمانہ

عشق میں جائےگا کہیں مارا بے طرح دل ہوا ہے آوارا

مقبول اس جہاں کا ہرگز غنی ندیکھا
راجا وہی ہے جو کوئی یہاں سے گیا ہے رانا

سجاد کوئی دیکھے بیتابیاں تو دل کی
ہے زندگی ہماری یہ موت کا نمونا

یار سے دل ملا وہ غیر ستی نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

لاوتے ہو میرے آگے کیا دوا
خون دل اپنا پیوں میں یا دوا

دل میں تو خطرہ نہ لا ہرگز طبیب
دیکھ کر میرے مرض کو لا دوا

جان و دل سب قبول ہے جانا
پر گلی میں تری مجھے آنا

میں نے جانا تھا قلمبند کریگا دو حرف
شوق کے لکھنے کا 'سجاد' نے دفتر کھولا

بیٹھے اگر خوشی سے آکر چمن میں بلبل
کریال میں غلیلا ایسا لگے کہ اُڑ جا

خط کترواکے آج قینچی سے ہم سے ملنے میں جاے ہے کترا

تیری شمشیر سے جدا ہو کر سر مرا مجکو تن نہیں دیتا

کیا کرے پاؤں بھی کہ جنگل میں
کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

مرے دیکھ کر حال داماں کا
پھٹے کیوں نہ سینہ گریبان کا

سب کی نظر سے گر کر ایک دم میں پست ہو جا
گر میکشوں میں آوے زاہد تو مست ہو جا

قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم نہ ڈر کے
ہرگز ہمارے دل میں سر کا نہیں ہے دھڑکا

شتابی پلا دے کہ جاتا ہے ابر
جو کچھ باقی ساقی رهی هو شراب

'سجاد' مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح
غصہ ہوا ہے یار میں کچھ اندنوں غضب

چین دے ہے نہ چین لے ہے آپ
دل ہوا ہے ہمارے جیو کچھ پاپ

کبھی منزل یہ ہوئی نہیں پوری
بہت اس راہ کو گئے ہیں ماپ

ہر کام کا اگرچہ ہوتا ہے سہل اول
پر عشق کی ستم ہے کوئی ابتدا نہایت

ایک دکھ ہے عاشقی کے پنتھ میں
پانوں کے نزدیک راہ دور دست

جلنے سے صدق دل کے سبب بچگیا خلیل
وہ بات ہے کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

دل آبادی میں تنہا کھینچ مت رنج
کہ ویرانہ میں دیوانوں کا ہے گنج

بند میں مت رہ دیوانے عقل کے
کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

غیروں کو جان خواب میں غفلت کے ڈال کر
ایک رات آکے سو رهو هم پاس آنکھ موندہ

مر گئے پر اگر نہیں آسیب
کیوں یہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

مت ہو نامہ عبث کو جا کاغذ
اپنے اوپر نہ حرف لا کاغذ

یہ دھواں سا فلک ستاروں ساتھہ
ہے نظر میں میری جلا کاغذ

آسماں ایک رقعہ وار نہیں
غم کے لکھنے کو ہو بڑا کاغذ

جیتے چمن کے بیچ بٹھائے ہیں نونہال
تعظیم تیری کرتے ہیں سب اُتھہ کے سروقد

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہے قہر
جنگل میں آبھرا ہے نکل کر تمام شہر

ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ
لاگی ہے جس زمانہ سے جلتی ہے دھر دھر

سبھی جلتے تھے شمع و پروانہ
رات یہ دن تھے اہل مجلس پر

باد صبا سے زلف معطر کی ہم تلک
مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھہ خبر عطر

کوئی کم گیا ہوگا زلفوں کی راہ
بہت رکھتے ہیں اس سفر سے حذر

دیوانہ کا نہیں مطلب دیوانہ
تو کیوں نامہ پہ ہے سطروں کی زنجیر

شوق جنوں میں تیرے عوض چاک جیب کے
نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

لخت جگر ہمارا پانوں کے ساتھہ کھا کر
کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چبا چبا کر

کیوں زرق برق کر کے نہ حاضر ہوں تجھہ حضور
ہیں تیرے گھر کے سب یہ زری پوش خواجہ تاش

کھا گیا مجروح دل میرے کو داغ
حال کیا کچھہ گوشت کا کرتا ہے زاغ

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف
روز سیاہ و نالۂ شب گیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب ستی رہتا ہے بیشتر
تنگ اس قدر ہے منھہ کہ نکلتا نہیں ہے حرف

دور میں رخسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں
خط چرا لیجائے دل کو اور باندھی جا ہے زلف

جس خوبرو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اُس کے تئیں حسن اتفاق

دل کو کبھی پیار دلا کر کے تو سجن
لاگا نہیں گلے سے مرے آکے آج لگ

جب تک ترے بدن کو نہ عاشق بدن لگائے
لگتا نہیں ہے تب تیں ہرگز کچھہ اُس کے آنگ

زلفوں کے جب اُلجھتے ہیں اس ساتھہ آکے بال
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت تب نکال

گلی میں تری بیٹھتے ہی سجن
اِن آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

تدبیر اور کچھہ نہیں مجنوں کے حسب حال
لیلیٰ کے والدین اُسے دیں شہر نکال

کیا جانتے تھے ہم سے مل کر کے اصل سے کل
ابکی بہار میں یوں ہوویں گے فصل سے گل

سجاد فکر ہم نہ کریں کیونکہ شعر کی
لگتے ہیں جا کے یار کے منھہ سے سخن میں ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجاوے اسے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

پھیر جاہیں خوبرو آنکھیں کریں ہیں جب بناؤ
دیکے سرمہ کے تئیں ہو جاہیں ظالم سیاہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں
سب مزے در کنار ہوتے ہیں

تا خدائی تک ایک کر ساقی
ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

تیر تو بیں کسی نشانے پر
میرے سینہ کے پار ہوتے ہیں

ابتو ہم نے کیا گریباں چاک
تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

برابر اپنے سجن بندگی کے کاموں میں
نہیں میں دیکھتا صاحب کے کوئی غلاموں میں

کس طرح کوہ کن پہ گزریلگی هجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

از مصنف همچنیں هردو مصرع شیندہ شد :—

هجر شیریں میں کیونکہ کاٹے گا
کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئیں
آنکھیں نشہ کے بیچ تمہاری گلابیاں

میں جو اُس کی گلی میں جاتا ہوں
دل کو کچھہ گم ہوا سا پاتا ہوں

سایہ میں ہم اُس باغ کے ہر بلبل و گل ساتھہ
مدت تئیں دیوار بدیوار رہے ہیں

دیکھوں طبیب در پے دارو ہے کب تئیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

جو ایک دهج ہے ابروے خمدار میں
کہاں پائی یہ ضرب تلوار میں

ہر سادہ رو مخطط ہونے کی دھن رکھے ہے
لیکن کوئی نکالے تیرا سا خط تو لکھدیں

جب کرے ہے ترے دھن کا بیاں
منہ سے غنچہ کے پھول جھڑتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جائے سر
جان اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

تیری وحشی نگہہ سے جنگل میں
بھا گنے پر غزال بیٹھے ہیں

دونوں طرف جو منہہ پہ ہیں موجیں سی جاریاں
لہریں ہیں میرے شوق کی زلفیں تمھاریاں

صیت شعر اب مرا ہوا ہے بلند
شاعروں کو کہو کہ فکر کریں

لب شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یہ سجاد کے دل کے جلنے کی قدر
نہیں بوجھتی شمع اُس کو بجھاؤ

میرا جلا ہوا دل مژگاں کے کب ہے لایق
اس آبلہ کو کیوں تم کانٹوں میں اینچتے ہو

ہرچند در مثل تصرف جائز نیست ، زیرا کہ
مثل اینچنیں است " کہ کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے

ہو" لیکن چوں شاعر را قادر سخن یافتم معاف داشتم -

دیکھ مہندی لگی اُن ہاتوں کو
پھول آکر لگے ہیں پاتوں کو

تو روز وصل میں لے بیٹھے پاس کن کن کو
یہ راتیں ہجر کی کاتی تھیں ہم اسی دن کو

چھاتی ترقبے ہے کھلتے وس کی گانٹھ
زر ہو غنچہ کی طرح جس کی گانٹھ

سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہے
زلف تیری ہے کوئی بس کی گانٹھ

نہ جوں زلف تیرہ ہے ہر دل کی آہ
نصیبوں سے ملتے ہیں بخت سیاہ

تجھ آنکھوں تلے اندھیرا ہے
پتلیاں یہ نہیں نین ہیں سیاہ

دل جیسے خط کے سبزے میں کھلیان ہو گئے
پڑتے ہیں ایسے جنگ میں بھی کھیت گاہ گاہ

شرمندہ ہوگئی ہے تیرے منھ سے آرسی
اب پھر کے رو برو ترے ہرگز وہ آئنہ *

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز
یوسف اپنا پیرہن تہہ کر رکھے

---

* آئے نہ = نہ آئے۔

رات اُس زلف کا وہ افسانہ
قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

آبلے ہے خدا سے پیری میں
بت پرستی ہے اور جوانی ہے

جو کوئی گرا سو آخر تحت الثری کو پہنچا
ظالم کے گھر کی گلیاں کچھ کم نہیں کوے سے

بے تکلف ہوسبھوں سے وہ ملے ہے سجاد
دختر رز بھی عجب طرح کی مستانی ہے

اگر شعر من می بود پیش مصرع اینقسم میگفتم :-

بے تکلف ہو نپٹ سر پہ چڑھے ہے سجاد

ھاتھ ہی میں رہے ہے طفلوں کے
یہ تماشے کا دل کھلونا ہے

ٹک اس کی کان دھر کر تم سنو نے
پرانے دردمندوں کی ہے یہ لے

بختوں بازی کہیں سجن مل جاے
لیکن ایسے کہاں نصیب مرے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے
جو یہ کشتی ترے تو بس ڈوبے

ہمہ شعر سبحان اللہ ' لیکن فقیر را از دیدن ایں
شعر تواجد دست بہم میدھد ' از بسکہ از خواندن ایں

شعر حظے بر میدارم، می خواهم کہ بصد جا بلویسم —

تمھیں غیر سے صحبت اب آبنی
اُسے دوستی ہم سے ہے دشمنی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے
یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے

جب تک نہیں پہنچتی ترے آستاں تلک
تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے

کچھ یہ سجاد کے جیو پر ہی عجب حالت ہے
ورنہ دیکھے ہیں میں اس درد کے بیمار کئی

اے صنم زنار پہنی تجھ وفا کے واسطے
ورنہ کوئی کافر نہیں ہوتا خداکیوا سطے

عاشقوں کا صنم لہو پی پی
دم بدم تیری تیغ اوگلے ہے

ماہرو بن یہ شمع محفل میں
جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے

سپرداری اس کی کسی سے نہ ہو
یہ ابرو تری ننگی شمشیر ہے

پانوں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں
کیا پھپولوں نیں سر اوٹھایا ہے

ہرگز آنے نہ دینگے غیروں کو
جاں ہر چند ہم گئے ہونگے

میر محتشم علی خاں

حشمت تخلص، سید صحیح النسب بود - سپاهیء عمدہ روزگار، شاعر خوب فارسی و ریختہ فہمیدہ، سنجیدہ - باهمہ بعجز و انکسار پیش می آید - جاسے بود، کہ در دل همہ کس جائے او خالیست، از خاک پاک دهلی بود، در مغل پورہ سکونت داشت - برادر کلان اُوکہ میر ولایت اللہ خاں باشد از مغتنمات روزگار است- دیریست کہ ترکِ روزگار کردہ خانہ نشین است - گاهے فکر شعر هم میکند - بر فقیر شفقت و عنایت بسیارے میکند - خدا در حفظ خودش نگاہ دارد، وآں مرد از نا مردیء روزگار ناهنجار فوراً فوت شد، خداش بیا مرزد - از حشمت است -

نگہت گل نیں جگایا کسے زندان کے بیچ
پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دیوانہ کی خبر لو اگر زنجیر کرنا هے تو کرلو

کرم اللہ خاں درد

همشیرہ زادۂ نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر است - بسیار خوش فکر، و عاشق سخن، خالی از درد

منڈی نیست - خوب می گوید ' و خوب می فہمد - بندہ بخدمت او رفتہ یک ملاقات کردہ ام ' طبع شور انگیزے دارد' مرد خوشیست ' خداش زندہ دارد - ازوست :-

مرے سینہ میں ہریک سانس ہوکر پھانس کسکے ہے
خلش دل کی نکل جاوے تو کیا آرام ہو جاے

سامنے ہوتے ہی پھر نعش نہ پائی دل کی
بہہ گیا نوک سناں پر صف مژگان کے بیچ

اشرف علی خاں

' فغاں' تخلص کوکۂ بادشاہ احمد شاہ ' داخل ذیل نیمچہ اُمرایان است' بسیار جوان قابل ' و ہنگامہ آرا ' شعر ریختہ را بخوبی می گوید - گاہے فکر غزل فارسی ہم می کند - شاگرد قزل باش خان مرحوم است - دریں ایام طبع او مائل لطیفہ بسیار است ' چنانچہ ناگرمل را کہ دیوان تن و دخیل بادشاہیست " گھی کی منڈی کا سانڈ " گفتہ - ہر کہ دیدہ دیدہ باشد و فہمیدہ باشد ' و حکیم معصوم را در دربار معلیٰ " گاؤ گجراتی" نام کردہ - ہرکہ حکیم صاحب را بیند داند - بندہ بخدمت اُو بسیار مربوطم - ازوست -

ساقی نہ میں یہاں آپ سے کچھہ چشم تر آیا
دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

آوارہ پریشان و شکستہ دل و بد نام
سنتے تھے فغاں جس کو سو آج ہی نظر آیا

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
کب آستیں تری مرے لوھو سے بھر گئی

ایں شعر را مرزا رفیع در غزل خود قطعہ کردہ است، و چہ خوب کردہ -

شیخ محمد حاتم

'حاتم' تخلص از شاہ جہان آباد است - می گوید کہ من با میاں آبرو ہم طرح بودم - مردیست جاہل و متمکن و منقطع وضع، دیر آشنا غذا ندارد و دریافتہ نمی شود کہ ایں رنگ کہن بسبب شاعری است، کہ ہمچو من دیگرے نیست، یا وضع او ہمیں است - خوب است مارا باینہا چہ کار - شعر بسیار دارد، دیوانش تا ردیف میم بدست آمدہ بود، و پارۂ اشعار آں نگاشتہ می شوند - با من ہم آشنائے بیگانہ است - از وست -

مثال بحر موجیں مارتا ہے لیا ہے جن نے اس جگ سے کنارا

آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا
ہیگا لباسیوں میں جن نے لباس رنگا

پانو مت دھر بوالہوس بحر عمیق عشق میں
جان کر ڈوبا ہے یہاں انجان جو آکر ترا

نال کی سی طرح چاہے تھا کہ بالادے مجھے
مدعی آخر کو اپنے زور میں آپ ہی گرا

آب حیات جا کے کسو نیں پیا تو کیا
مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو گیا

ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی
کہ کہے سب جہاں وصال ہوا

تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے
بوریا کا نقش ہم پہلو مرا

ہر قدم پر سرد پانی ہو بہے
جو چلے وہ قامت دلجو مرا

حاتم بیکس کا تجھہ بن کون ہے
کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

ہائے بے درد سے ملا کیوں تھا آگے آیا میرے کیا میرا

اگر شعر من می بود این چنیں می گفتم -
مبتلا آتشک میں ہوں اب میں آگے آیا میرے کیا میرا *

---

* حیرت ہے کہ گردیزی نے میر صاحب کے اس اصلاح کردہ شعر کو حاتم سے منسوب کیا ہے -

پیش گرمیٔ این مصرع و خنکیٔ آں شعر روشن است -

لیا اُس گلبدن کا هم نے بوسه
تو کیا چوماں رقیبوں نے همارا

شاید عمل کیا هے رقیبوں کی بات پر
تب تو دلوں کا چور پھرے هے چھپا هوا

نظر آتا تھا بکری سا کیا پر ذبح شهروں کو
نجانا میں که یه قصاب کا رکھتا هے دل گردا

ان دنوں میں دیکھه کر هم کو اپھرتے هیں رقیب
پیت هے ان کا بھرا کل پرسوں مرتے هیں رقیب

وصف آنکھوں کا لکھا هم نے گل بادام پر
کرکے نرگس کی قلم اور چشم آهو کی دوات

مے پلا کے راه کھویا هے رقیبوں نیں اُسے
آوے حاتم کی طرف جب که کبھو مست آوے

چھین لیتے هیں مرے دل کو نگاهوں کے بیچ
حسن رهزن هے یه پنجاب کی راهوں کے بیچ

ایک دن هاتھه لگا یا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر هے خجالت سے گریباں کے بیچ

گر عدو میری بدی کرتا هے خاص و عام میں
میں اُسے رسوا کرونگا بانده کے دیواں کے بیچ

شعر خوبست لیکن لطیفۂ متبدل شدہ است ' کہ او در دیوان بادشاهی گفته بود ' بر روئے امیرے کہ نامش از خاطر رفته است - در دیوان صاحب رسوا شدم - صاحب هم عزت خود در دیوان من خواهند دید —

کوئی دیتا نہیں ہے داد بیداد
کوئی سنتا نہیں فریاد فریاد

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور هم رهے غافل
بجا ہے معذرت لکھنا همیں کاغذ خطائی پر

آج نرگس کا قلم کر کے سجن لکھتا هوں
وصف آنکھوں کا ترے کاغذ بادامی پر

جب سوں تیری نظر پڑی ہے جھلک
تب سوں لگتی نہیں پلک سے پلک

دیکھہ طور اس دور کا حاتم نیں کی ترک شراب
یاد کر کر سبز رویاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ

در لفظ سبز رویاں تامل کردن ضرور است زیرا کہ آشنائے گوش ایں هیچمدان نیست —

خاصے سجن کا ملنا تن سکھہ ہے عاشقوں کو
گاڑھے رقیب سارے مرتے هیں هات ململ

دلوں کی راہ خطر ناک هوگئی آیا
کہ چند روز سے موقوف ہے پیام و سلام

مارا ہے سنگ دل نہیں دکھا مجکو رنگ سرخ
تعویذ مجھہ مزار کا لازم ہے سنگ سرخ

—*—

یکرو

یکرو تخلص مردے بود، شاگرد میاں آبرو، بر احوالش اطلاع ندارم مگر دو سہ مرتبہ در مجالس ریختہ دیدہ ام باآنکہ ہیچمدان فن ریختہ بود، و لیکن خود را خود ہمہ دان میشمرد - از وست —

دل پر مرے ہیں داغ ترے ہجر کے کئی
گلشے میں جن کے عمر میری سب گزر گئی

—*—

میاں صلاح الدین عرف مکھن

پاکباز تخلص، شخصے است گوشہ نشین، شاگرد میاں یکرنگ کہ احوالش نوشتہ آمد - بسیار کم اختلاط گویا آشنا شدن را نمی داند، پسر میاں شاہ کمال نبیرۂ شاہ جلال قدس سرہ است - اکثر بورد و وظائف مشغول می باشد - در مجمع شاعران ریختہ کہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ

قرار یافته[1] است، اگر دماغ وفا میکند تشریف می آرد - مزاجش خالی از وحشت نیست - از وست —

جلوے تمھارے حسن کے نت ھیں پہ ھم کہاں
تم تو سجن ھمیشہ ھو افسوس ھم نہیں

مجھے درد و الم رھتا ھے نت گھیرے میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ھو تم میرے میاں صاحب

—*—

محمد اسمعیل

بیتاب تخلص[2]، مرد درویشے بود، شاگرد میاں یکرنگ، بسیار مربوط، مضبوط الا حوال - دریں ایام بخانہ جعفر علی خاں میرزمت کہ از پشت اسپ بر افتاد، و دستش شکست، بیماری دوسہ ماہ کشید، آخر از ہماں آزار مرد[3] - خدااش مغفرت بکند - با فقیر نیز آشنا بودند - ازوست —

نہ ھوتا گر کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رھتا مرا دل

تڑپ کر مرگئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ھائے کس ظالم کے بس میں

— * —

انعام اللہ

یقین تخلص، شاعر ریختہ صاحب دیوان، از بسکہ اشتہار دارد، محتاج بہ تعریف و توصیف نیست - تربیت کردۂ مرزا مظہر است - پدرش اظہر الدین خاں نام دارد - با جدش در سرہند ملاقات کردہ بودم اورا بسیار آدم با مزہ یافتہ، او بسلوک پیش آمدہ، و ضیافت فقیر کردہ، تا دیر نشستہ صحبت مستوفی داشتم - شعر فارسی بطرز میگوید - آمدم برسر مطلب - میاں یقین را مردماں می گفتند، کہ مرزا مظہر اورا شعر گفتہ میدہد و وارث شعرہائے ریختۂ خود گردانیدہ - از قبول کردن ایں معنیش بندہ را خندہ می آید، کہ ہمہ چیز بوارث میرسد اِلا شعر - مثلاً اگر کسے بر شعر پدر خود یا بر مضمون او متصرف شود، ہمہ کس اورا دزد خواہند گفت، تا بشعر استاد چہ رسد - القصہ پر و پوچ چندے کہ یافتہ است کہ ما و شما نیز می توانیم یافت - ایں قدر بر خود چیدہ است کہ رعونت فرعون پیش او پشت دست بر زمین

گذارد

می گزارد۔ بعد از ملاقات ایں قدر خود معلوم شد
که ذائقهٔ شعر فہمی مطلق ندارد - شاید از همیں راہ
مردماں گمان ناموزونیت در حق او داشته
باشند - جمعے بر ایں اتفاق دارند ' که شاعریء
اُو خالی از نقص نیست ' چرا که شاعر ایں قسم کم فہم
نمی باشد - از شخصے منقول است که بخانهٔ عطیة الله
که پسر نواب عنایت الله خاں مرحوم باشد یقیں نشسته
بود و می گفت ' از اں روز یکه مرزا دست استادی در
سر من داشته است شعر من ترقی کرده - شخص
مذکور ایں مصرع نظامی پیش حضار مجلس بآواز بلند
خواند ۔ مصرع :- شد آں مرغ کو خایه زریں نهاد -
حاصل او را بیضه در کلاه شکست ۔ میاں شہاب الدین
ثاقب که احوال اُو نوشته خواهد شد نقل می کرد که من
محض برائے امتحان بخانهٔ اُو رفتم و یک غزل طرح
کردم - من غزل بانصرام رسانیدم ' و ازو مصرعے موزوں
نشده ' الله اعلم- میاں محمد حسین کلیم که احوالش
گزشت قصیده گفته است ' مسمی به روضة الشعرا - درو
نام تمام شعرا را نقل کرده ' ازاں جمله نام ایشاں را نیز

آوردہ ، لیکن بکفایۂ غریبے کہ سخن فہم می فہمد و آں اینست —

یقیں کے شعروں پرھیں بد گماں بعضے کہ اس کے نہیں
غلط ہے ہم نے بوجھا ہیگا مرزا جان جاناں کو

نام مرزا ، جان جان است و شاعر جان جاناں بستہ۔ چوں اکثر عوام نام مرزا از غلطی جان جاناں می گویند شاعر مذکور نظر بر شہرت ہمچنیں موزوں کردہ۔ اگرچہ نمی بایست کہ گفتگوے ما با خواص است۔ در بزرگ زادگی و شرافت و نجابت میاں یقین سخنے نیست۔ از خانوادۂ بزرگیست۔ با بندہ ہم آشنائی سرسری دارد۔ ازوست —

دل میں زاھد کے جو جنت کی ھوا کی ہے ھوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

رو اگر دیجئے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں
آئینہ سے بھی گیا کیا دل حیراں میرا

یقین اُس کے در دنداں کی باتیں جو کیا چاہے
صدف کی طرح دھولے آب گوھر سے دھن اپنا

کیا بدن ھوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کے بند
برگ گل کی طرح ھر ناخن معطر ھوگیا

اگرچه اکثر شاعران ریختہ را متبدل بند یافتہ ام متبدل می گویند و توارد می نامند - گویا این شعر اُستاد در حق ایشان است —

هرچه گویند بے محل گویند
در توارد غزل گویند

لیکن شعر یقین لفظاً لفظاً متبدل رائے انند رام مخلص است که گزشت. طرفہ تر این کہ آنہم در سلیقۂ سرقہ یکہ بودہ است - خدا داند کہ این معنی در اصل از کیست شعر این است —

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وا می کنیم ما

از یقین است —

آنکھہ سے نکلے پر آنسو کا خدا حافظ یقیں
گھر سے جو باھر گیا لڑکا سو ابتر ھوگیا

یقیں سوز و گداز اپنے کو گر اظہار میں کرتا
خدا شاھد ھے آتش کا بھی زھرہ آب ھوجاتا

اگر سر کر نہ میں اُس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا

زباں فولاد کی ھو جب جواب کوھکن دیوے
ستم ھوتا اگر پرویز کو عشق امتحاں کرتا

کہتے ہیں کہ تسخیریں آئینہ کو آتی ہیں
دل سے نہ ہوا جو کام آئنہ سے کیا ہوگا

نہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصر شیریں میں
جو میں ہوتا تو جائے شیر جوئے خوں رواں کرتا

ناچار لے دل اپنا گیا گور میں یقین
اس جنس کا جہاں میں کوئی قدرداں نہ تھا

عاشق اور معشوق کی عالم سلد کرتے ہیں سب
تجھہ سے خونخواری کی طرز اور مجھہ سے غم کھانے کی طرح

اب جو اُڑ بیٹھیں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم آگے نہ بوجھے اپنے بال و پر کی قدر

کیا کروں مژگانِ تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بے طرح اُمنڈے ہیں یہ برسیں گے زور

خال گورے مکھہ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اِس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف
خوش نہیں آتا نظر کرنا غزالاں کی طرف

اِس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جام شراب
دیکھہ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف

ہمارے درد کی دارو اگر کچھہ ہے تو دارو ہے
یہ سب کچھہ سن کے ساقی بات پی جانے کا کیا حاصل

جب دیکھتا ہوں تنہا تجکو سجن چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجکو
کیا عیش کرگیا ہے ظالم دوانہ پن میں

اگر بجاے خوش نصیبی ' خوش معاشی می گفت '
ایں شعر بسیار بامزہ می شد —

خوباں یقیں کو معذور اب تو رکھو کہ اُس کے
لو ہو نہیں جگر میں آنسو نہیں نین میں

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اٹھنا بے دماغوں کا قیامت اس کو کہتے ہیں

نہ گذرا ہوگا مجھہ سا کوئی رنگیں باؤلے پن میں
گریباں آپڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں

یقیں سے جلتے بلتے کی خبر کیا پوچھہ کر لوگے
پڑا ہوگا دیوانہ سوختہ سا کنبج گلخن میں

کرتا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں

وہ ناخن ابروے خوباں سے خوشنما تر ہے
کسو کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

خواب میں کس طرح دیکھوں تجکو بےخوابی کے ساتھہ
جمع آسایش کہاں ہوتی ہے بیتابی کے ساتھہ

صفت نہیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں یقیں
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

زنجیر میں زلفوں کے پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
نرا برا نہیں یہ شغل کچھہ بھلا بھی ہے

اس اشک وآہ سے سودا بگڑ نہ جاوے کہیں
یہ دل کچھہ آب رسیدہ ہے کچھہ جلا بھی ہے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا
کسی کا دل کبھی پانوں تلے ملا بھی ہے

ایک پل بھی نہیں ٹھہرتا ہاے آنسو کی طرح
اس دل بیتاب کو کوئی تسلی کیا کرے

وصل کی گرمی سے مجکو ضعف آتا ہے یقیں
دیکھیے مجھہ ساتھہ خوبوں کی جدائی کیا کرے

اُس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے
جیو میں ہے اس مصرع موزوں کو تضمیں کیجئے

مزے سے عشق کے دوزخ بھی اس فرقہ پہ جنت ہے
خدا ہم کو کرے محشور امت میں محبت کے

نہ نکلا کام کچھہ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

دیوانہ ہوں میں اپے جیو سے مجنوں کے سلیقہ کا
مزے لے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے

یار اگر منظور ہے دنیا و عقبیٰ سے گزر
منزل مقصود ہے دونوں جہانوں کے پرے

مجھے یہ بات خوش آے ہے ایک مجنون عریاں سے
کیا کیجئے کہاں تک چاک، ہم گزرے گریباں سے

فقیر نیز یک شعر دارد قریب بہمیں معنی و با عتقاد
خود بمرا تب ازیں شعر بہتر میداند - اینست —

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اب گریبان ہی سے ہاتھہ اُٹھایا ہم نے

از یقیں است

نہ دے برباد خار آشیاں کو عندلیباں کے
صبا تو بھی ہوا خواہوں میں ہے آخر گلستاں کے

تک ایک انصاف کر، کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی
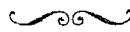
میاں شہاب الدین

ثاقب تخلص، مردے درویشے است متوکل، شاگرد

میاں آبرو - اکنوں شعر خود را پیش خان صاحب سراج الدین علی خاں می آرد - از چندے بوطن خود رفته، که از مضافات بارهه است - با فقیر آشنائی بسیار داشت - تحفهٔ روزگار است - در همه چیز دست دارد، و هیچ نمیداند - حاصل مردے خوبے است، زنده باشد - از وست -

ناقب کی نعش اوپر قاتل نیں آکے پوچھا
یه کون مرگیا هے کس کا هے یه جنازا
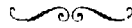
مخفی نماند که احوال یکے ازیں شاعرانِ سمت دکن که پُرّ بے رتبه اند، مگر بعض، چنانچه ولی و سید عبدالولی و سراج و آزاد که معاصر ولی بود سر رشتهٔ مربوط گوئی بدست ایشاں یافته میشود - باقی سرکلافه داشت، حرف زدن همه‌ها کم است، لهذا بر تخلص اکثر آنها اکتفا کرده نوشته آمد —

ولی

شاعر ریخته از خاک اورنگ آباد است - میگویند

که در شاهجهان آباد دهلی نیز آمده بود۔ بخدمت میاں گلشن صاحب رفت، و از اشعار خود پارۂ خواند۔ میاں صاحب فرمود، این همه مضامین فارسی که بیکار افتاده اند، در ریختۂ خود بکار ببر، از تو که محاسبه خواهد گرفت۔ از کمال شہرت احتیاج تعریف ندارد، و احوالش کما ینبغی معلوم من نیست۔ از وست —

نپوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماهیت
برنگ ابر دریا بار هے رومال عاشق کا

اُس کے قدم کی خاک میں صد حشر هے نجات
عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو

غرور حسن نے تجکو کیا هے اس قدر سرکش
که خاطر میں نه لاوے تو اگر تجھه گهر ولی آوے

خبرداری سے اُس معشوق کے کوچه میں جا اے دل
که اطراف حرم میں هے همیشه ڈر حرامی کا

اے غنچه نکر تو فخر یه دل تکمه هے سجن کی بکتری کا

دل چھوڑ کے یار کیونکے جاوے
زخمی هے شکار کیونکے جاوے

دیکھه کر تجھه نگاه کی شوخی
هوش عاشق رم غزال هوا

اور مجھہ پاس کیا ہے دینے کو
دیکھہ کر تجھکو رو ہی دیتا ہوں

کیا غم ہے اُس کو گرمیء خورشید حشر سے
بخت سیاہ جس کے سر اوپر ہے سایہ باں

مت راہ دے رقیب سیہ رو کو ایک بار
ڈریے ہزار بار بلاے مہیب سے

دشمن دیں کا دین دشمن ہے راہزن کا چراغ رہزن ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اُس کو
کرتی ہے نگہہ جس قد نازک پہ گرانی

کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانۂ ساقی
کہ دل سے تاب جی سے صبر سر سے ہوش لیجاوے

عالم میں ترے ہوش کی تعریف میں کی ہے
ایسا تو نکر کام کہ مجھہ پر سخن آوے

سن ولی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق
کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

جلد چل تک عشق کی رہ میں کہ تا پہنچے کہیں
کاہلی کو رہ ندے سالک کہ منزل دور ہے

پہنچتا ہے یہ دل کو ہر جاگہ غم ترا روزیء مقدر ہے

عجب کچھہ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں دلبر سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

کیونکہ سیری ہو حسن سے تیرے
دھوپ کھانے سے پیٹ بھرتا نہیں

اے جان ولی وعدۂ دیدار کو اپنے
ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

یک دل نہیں آرزو سے خالی ہر جا ہے محال اگر خلا ہے

گلا ہوں کے سیہ نامے سے کیا غم اُس پریشاں کو
جسے وہ زلف دست آویز ہو روز قیامت میں

—*—

سید عبد الولی سلمہ اللہ

عزلت تخلص از سورت اند. خلف الصدق حضرت سید سعد اللہ قدس سرہ سورتی کہ مستفید عالمگیر بودند، درویش وضع، عالم فاضل، بزرگ متوکل- مشق شعر فارسی هم کرده اند - لیکن مزاج اوشان میلان ریختہ بسیار دارد، تازه وارد هندوستان کہ عبارت از شاهجهان آباد است شده اند، نسبتے تمام بسخن دارند - از اسالیب کلام شاں واضح میگردد کہ بهره بسیارے از درد مندی دارند - با این همہ کمال این قدر وسعت مشرب بهم رسانیده اند کہ در هر رنگ چوں آب می

آمیزند - با فقیر جو ششها میکنند - مرد با استقامت اند، خدا ایشاں را سلامت دارد - از وست —

فقیروں سے نہ ہو بیرنگ لالا فصل ہولی میں
ترا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ بھگوا ہے

جس خوش نگہ کو پہنچوں غفلت کی نیند لیوے
میں خفتہ بخت شب کا افسانہ ہو رہا ہوں

اُس کو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں
کسی دشمن سیتی سنا ہو گا

عزلت گماں یوں تھا کہ جل کر ہوا ہے راکھہ
پھر دود آہ دل نیں مرا دیدہ تر کیا

بندے ہیں تیری چھب کے مہ سے جمال والے
سب گل سے گال والے سنبل سے بال والے

اے بلبل اتنی رو کے دعا ہر سحر تو مانگ
حق تیری آہ سرد چمن کی صبا کرے

نبو جھو یہ بگولہ ہے مرا ہم تول صحرا میں
یہ قبر حضرت مجنوں ہے دانوا تول صحرا میں

ہوے لیلی کے سر چڑہ اشک مجنوں نیل کے تپکے
یے موتی خاک لیتا نہیں کوئی مول صحرا میں

بیاباں کے گلوں سے بوئے رنگ درد آتی ہے
اری بلبل چمن سیں دل اُٹھا آ بول صحرا میں

نخل اُمید بے وفاؤں سے دل سلامت پھرے تو پھل پایا

صنم اپنا مرض الفت کا جب میں عرض کرتا ہوں
جلے دل کی تشفی کو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے

کیا گرم ہو دیتا ہے جواب خنک اے یار
تاب اپنے دم سرد کی نہیں دل کو ہمارے

چین ابروے سجن میں میرا جیو اُلجھا ہے
دل کھلے گر کبھی دونوں میں گرہ پڑ جاوے

دل میں رندوں کے پھپولا ہوا عمامۂ شیخ
یارب اس بزم سے یہ زہر کا مکڑ جاوے

سدھارے گل کہاں سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلا کر آشیاں اپنے

نبوجھو یہ کہ کیفی چشم پہ سرمہ نے گھیری ہے
گریباں گیر ظالم بے سخن فریاد میری ہے

تجھ قبا پر گلاب کا بوتا
دل بلبل گویا ابھی توتا

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا
سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

—*—

آزاد تخلص

ہم عصر ولی بود- بسیار بصفا حرف میزد - از وست -

آئیں جہاں کی ساری آزاد صنعتیں پر
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

— * —

سراج تخلص

در اورنگ آباد شنیدہ می شود، شاگرد شاگرد سید حمزہ - ہمیں قدر از بیاض سید مسطور مستفاد می گردد - سخن او خالی از مزہ نیست - از وست -

تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

پی بن مجھہ آنسووں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند نہیں ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جاناں
کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو تانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

شعلہ خو جب سے نظر آتا نہیں
لوٹتا ہے تب سے انگاروں میں دل

عجب وہ سرو گلزار ادا خوش‌قد ہوا واقع
پر بلبل نہال گل کو دست رد ہوا واقع

ہائے رہ گئی دل میں دامنگیریوں کی آرزو
سبزۂ تربت مرا ہے پنجۂ گیرا ہنوز

نہیں حقیقت میں حسن و عشق جدا
طوق قمری ہے طرۂ شمشاد

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ اے سراج
شاید کہ جا پڑا ہے کسی آشنا کے ہات

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا
شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

نہیں ہوا اُس شمع رو کے عشق میں داغ ایک 'سراج'
ہیں وہ حسن آتشیں کے ایسے پروانے کئی

مشہور چشموں کی تبرید کرنے کو شبنم ہے سرد آب شوروں کی مانند
روپے کی تھالی سفیدی ہے نرگس کی زردی ہے زر کے کٹوروں کی مانند

دل کے خزانے سیں شاید لے جاویگا جی کے جواہر کو عیاریوں سیں
ہر دم خیال اُس کا آنکھوں کے روزن سیں آتا ہے چھپ چھپ کے چوروں کی مانند

— ❊ —

عارف علی خان

'عاجز' تخلص - دہ دوازدہ سال شدہ باشد کہ در شاہ جہان آباد تشریف داشت - بندہ شعر او شنیدہ بودم - از چندیں بسمت دکن رفتہ۔ اکنوں از زبان سید مذکور

بوضوح می پیوندد که در برهانپور است - دیگر بوحسب و نسبش اطلاع ندارم - زبانش بزبان او با شان است - اکثر ریختہ در بحر کبت می گوید - از وست -

مینہ کے برسنے کی باو چلی ہے اب آنکھوں سے جان بن آنسو چلیں گے
درد کے نیساں کے گوہر غلطاں تو مٹی میں کنکروں سے آہ رلیں گے

تفت جنوں مرا وحشی دیوانوں نے سر پر اُٹھائے ہیں شوروں سے 'عاجز'
اب میاں مجنوں بیولوں کی مورچہلوں کو خرابی سیں آپ ہی جھلیں گے

— * —

احمدی گجراتی*

از وست -

ہوے دیدار کے طالب خودی سے خود گذر نکلے
نپائی راہ دانش میں خروشاں بے خبر نکلے

نشان بے نشاں ہم ملک یکرنگی میں پاتے ہیں
خبر چھوڑی دوئی کا ہم نے جب سے ست نگر نکلے

بھرے دو نین کے چھگلاں صبوری ساتھ لے توشہ
کمر ہمت سے باندھے ہور پرت کی بات پر نکلے

نین کے ہاتھ کھپرلے پھریں درسن کی بھیکیاں کو
نپائی ایک در پر بھی بھکاری در بدر نکلے

* میر اور شفیق نے احمدی لکھا ہے لیکن قایم ' شوق اور حسن نے احمد گجراتی لکھا ہے ' احمد صحیح معلوم ہوتا ہے کاتب نے اضافت کی بجاے (ی) لکھ دی ہے —

رہے نادر خیالاں میں ملے شوریدہ حالاں میں
ہوے صاحب کمالاں میں کدھر سے آ کدھر نکلے

— * —

قاسم مرزا

او ہم ہمیں غزل گفتہ است - معلوم نیست کہ کجائی بود -

گلے میں سر کی لٹ سیلی سوال ہے خال کا دانا
ہوئے جوگی تو کیا یاں واں جدھر نکلے تدھر نکلے

شعوری جالاپوری

از وست —

برسات میں ندیکھا نظر بھر کر آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھہ پر آفتاب

فضلی

فضلی راست، مثنوئی ایلھم یکسا نظر دیدہ ام -

شاعر خوبے نبود —

رکھا ہوں نیم جاں جاناں تصدق تجھہ پہ کرنے کو
کیا سب تن کو میں درپن اجھوں درسن نپائے ہوں

ربط بین المصرعین این شعر سبحان اللہ عجب ربط چسپانی است کہ مطلق معلوم نمی شود کہ چہ میگوید و چہ ارادہ کردہ است ــ

صبائی احمدآبادی

ازوست ــ

زر سے ہے آشنائی زر سے ملے ہے بھائی
زر نہیں تو ہے جدائی دنیا جو ہے سو زر ہے

محمود

ازوست ــ

لوگاں کہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں لیکن
جو کوئی پیا سے بچھڑا وہ سخت ہے پتھر سے

محمود تجھ میں دستا پورا ہنر وفا کا
ہے کیا عجب جو بھاوے تو پیو کو اس ہنر سے

سالک

ازوست ــ

پھروں بیہوش ہو کر میں برہنہ پا بدل تیرے
یقیں بوجھوں تمن پیارے کہ سالک کوں لبھایا ہے

ملک

از وست —

تن من فدا کروں اُس ہشیار ساقی اُوپر
یک قطرہ مے چکھا کر جن بے خبر کیا ہے

لطفی

از وست —
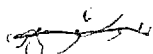
تجھ عشق کی اگن سے شعلہ ہو جل اُٹھا جیو
دل موم کے نمونے گل گل پگھل گیا ہے

جیو کا چمن جلا سو جلتی انگار لیکر
اُکلا کے آگ دینے تیسو جنگل گیا ہے

میں عشق کی گلی میں گھائل پڑا تھا تس پر
جوبن کا ماتا آکر مجکو کھندل گیا ہے

فخری

دیکھوں میں جب تجھے تو چکا چوند لگ رہے
ہرگز کدہے نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب

ھاشم

دکھن ھور ھند کے دلبر ھمن سے بے حجاب اچھتے
کہ مکھڑے چاند سے پر جن کے خط پیچ و تاب اچھتے

ھاتفی *

تیری انکھیاں ھور زلف سے کافر ھوا سارا جہاں
اسلام ھور تقویٰ کہاں زھد اور مسلمانی کدھر

اشرف

پیا بن میرے تیں بیراگ بھایا ھے جو ھونی ھو سو ھو جاوے
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ھے جو ھونی ھو سو ھو جاوے

غواصی

جو کوئی اس مزرع دل پر برہ کا بیج بوتا ھے
† تو ھرگز اوس کے بستان میں گل امید ھوتا ھے

---

* قایم اور میر حسن نے "ھاتف" لکھا ھے —
† تو کے بجاے نہ ھونا چاھئے —

خوشنود *

سب رین جاگے سحر پڑہ تو بھی سجن آیا نہیں
چھپ چھپ کے دیکھی بات میں درشن کو دکھلا یا نہیں

جعفر

غمزیاں سوں دیکھو شوخ مجھے مار کر چلے
مجروح تس پہ راہ مدیں تھار کر چلے

عبد الرحیم

آیا فراق اب پیو کا سدہ بدہ گنوا مجنوں کیا
جس بات وہ لیلی گئی اُس بات مجھ جانا پڑا

عبد البر

سجن کے ھجر کا نیزا جگر کے بیچ لاگا ھے †
نہ چونکے کیونکے اب طالع کہ سنوا نپہ جاگا ھے

* اکثر تذکرہ نگاروں نے خوشنود لکھا ھے ' یہ دکن کا مشہور شاعر ملک خوشنود ھے —

† اصل میں اسی طرح لکھا ھے —

عزیز اللہ

غزلے گفتہ است، کہ تمام اولیا را درو ذکر کردہ است، مقطعش اینست —

سمجھ نوجواں میں کیا سکت بولوں جو ولیاں کے صفت
عاجز عزیز اللہ اُوپر دکھن کے سب پیراں مدد

سعدی دکھنی

آنچہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطا است - از وست —

ہمنا تمن کو دل دیا تمنے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے

دو نین کے کھپر کروں رو رو بخون دل بھروں
پیش سگ کویت دہروں پیا سا نجاوے میت ہے

سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

بیچارہ

پیہ سے جدا ہونا نہ تھا چاہا خدا کا یوں اتھا
جز صبر اب چارہ نہیں بیچارہ ہو رہنا پڑا

حسن

جب تے سفر پی نے کیا تب تے غریب آوارہ ہوں
پی بیگ تے آنا کریں یا مجکو لیں بلوائے کر

حسیب تخلص

احوالش معلوم نیست، از بیاض سید صاحب مذکور نوشتہ شدہ —

گلبدن پھول کی مت لڑکے (توڑ کے) ڈالی ارے *
دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی "ارے"

مرزا داؤد

داؤد تخلص میکند، شاگرد سید صاحب است — †

---

* یہ شعر اصل میں اسی طرح لکھا ہے —

† داؤد اورنگ آبادی، ولی کا متبع تھا جیسا کہ اس کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے - شاہ سراج کا معاصر اور حریف تھا، اپنے اشعار میں ان پر چوٹ کی ہے - عزلت کی وفات سے بتیس سال قبل ۱۱۵۷ھ میں فوت ہوا ہے - شفیق نے اس کے لڑکے جمال اللہ "عشق" کی زبانی معلوم کرکے وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے - ایسی صورت میں میر صاحب کا عزلت کے حوالے سے لکھنا تعجب سے خالی نہیں —

ایلقدر هم از زبان سید صاحب بتحقیق رسیده - الله اعلم-
بارے مصرعے را درست موزوں میکند - از وست —

زلف دلبر سے مجکو سودا ہے
خلق کہتی ہے تجکو سودا ہے

میر میران صاحب

کہ سید نوازش‌خاں خطاب دارد و بھید تخلص اوست'
همیں قدر معلوم میشود —

آہ گر باغ سیں وہ سرو خراماں گذرے
اشک قمری سے گلستان میں طوفاں گذرے

بسکہ ہے آتش غم تیز درونے میں مرے
ناوک ناز ترا دل سے نہ سوزاں گذرے

میر عبد الله تجرد

سید عبد الولی میگویند' کہ شاگرد منست - از وست

تجھہ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اُس کی فلک کو خبر نہیں

حکیم یونس

احوال اُو معلوم نیست، از بیاض سید صاحب نوشتہ شدہ —

صبح جب گلشن سے وہ گلرو گیا
باغ سے باہر نکل گلرو گیا

ہے معطر اب تلک صحرا تمام
اس زمیں اُوپر کوئی گل بو گیا

سو گیا جنلے جگا یا تھا مجھے
بخت میرا جاگ اُٹھا تھا سو گیا

نواب خواجم قلی خاں

ہفت ہزاری صوبہ داری برہانپور است۔ از معتقدان سید صاحب است —

'موزوں' نیں راہ عشق میں پھر اب قدم رکھا
ہے مصلحت سے دور نجانوں اریگا کیا

میر محمد باقر

حزیں تخلص شاعر ریختہ است، صاحب

دیوان از نصیریان مرزا جان جان مظہر - شنیدہ میشود کہ بہ بنگالہ رفت دیگر احوالش تحقیق نمی گردد - ازوست —

اُس بے وفا کے عشق میں کچھ مجکو جس نہیں
پانوں تلک بھی ھائے مجھے دسترس نہیں
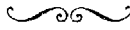
محمد علی حشمت

از شاگردان غنی بیگ قبول است - اکثر بر شعرما مردمان اعتراضات بیجا میکرد و جواب با صواب می یافت - در شعر ریختہ کہ بسیار پاجیانہ میگفت ، گپہا دارد - حاصل، عجب ہنگامہ پردازے بود - دریں ایام ہمچو اوے ہم بہم نمی رسد - ہمراہ قطب الدین خاں در جنگ روہلہ کشتہ شد- اوستاد عبدالحی تابان بود- خداش بیامرزد - ازوست —

جب آ خزاں چمن میں ہوئی آشناے گل
تب عندلیب روکے پکاری کہ ھاے گل

خط نیں ترا حسن سب اُوڑایا
یہ سبز قدم کہاں سے آیا

میر عبدالحی تاباں

نوجوان با مزه بود - سید نجیب الطرفین ، مولد اُو شاهجهان آبادست ، بسیار خوش فکر و خوبصورت، خوش خلق، پاکیزه سیرت ، معشوق عاشق مزاج - تا حال در فرقۂ شعرا همچو او شاعر خوش ظاهر از مسکن بطون عدم بعرصۂ ظهور جلوه گر نشده بود - زبان رنگینش پاکیزه تراز برگ گل ، گلستان سخن را نازک دماغ بلبل - مسند رنگینیء فکرش با گلگون بادِ بهار طابق النعل با النعل است - هر چند عرصۂ سخن او همیں در لفظهائے گل و بلبل تمام است ، اما بسیار برنگیں می گفت - از دیدن رنگ آتش بے اختیار از دهن من گل کمالش سر میزد - نسبت بشعر او اوستاد او را رتبۂ شاگردی او نبود - با فقیر یک صفائی داشت - از چندے بسبب کم اختلاطی این هیچمدان کدورتے بمیان آمده بود - اجلش مهلت نداد که تلافیش کرده آید - آخر آخر که اوائل جوانی اُو بود ، این قدر مداومت شراب کرده که ملاقات همه یاران موقوف

شد - اکثرے از دوستانش که بخانۂ او میرفتند، اورا مست طافح می یافتند، و آب بردن این ماجرا را ببینید که هشت هفت روز زود لعیت حیات سپردن او باقی ماند، یک مرتبه توبه کرده و بهمه آشنایان خود رقعها نوشته که عزیزان من توبه کرده‌ام شما شاهد و خبر گیران من باشید چرا که شراب بسبب کثرت استعمال مزاج من شده بود از گذاشتن این از خود گزشتن من پر نزدیک می نماید - غافل از احوال من بودن از عقل بسیار دور است - آخرالامر همان شد که گفته بود - حاصل آفتاب تابان عمر او زود بلب بام رسید - معشوق عجیبے از دست روزگار رفت - افسوس افسوس افسوس - امید قویست که حق تعالیٰ مغفرتش کرده باشد - از وست —

ہے سوز عشق یہاں تئیں مجھہ میں کہ بعد مرگ
پروانہ مرغ روح ہو شمع مزار کا

قد حلقۂ کماں اسی حسرت میں ہو گیا
تیر ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

اخگر کو چھپا راکھہ میں میں دیکھہ کے سمجھا
تاباں تو تۂ خاک بھی جلتا ہی رہے گا

پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں
منتیں کرتے ہی ساری رات ہوجاتی ہے صبح

جیو میں آوے سو کہہ تو تاباں کو
لیس من فیک شتمنا بہ قبیح

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

لگ رہی ہیں ترے عاشق کی جو آنکھیں چھت سے
تجھکو دیکھا ہے مگر اُن نے لب بام کہیں

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

بال اپنے کھولتا ہے جب تو اے خورشید رو
چاند سے منھہ پر ترے اُس وقت آ جاتا ہے ابر

آتا ہے فاتحہ کو گلرو رقیب ساتھہ
لاتا ہے خار قبر پہ میری بجائے گل

آشنا تو مجھے ہے ایسا کہ جیسا چاہئے
پر جو کچھہ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں
باراں ہو اور ہوا ہو سبزا ہو اور ہم ہوں

ایمان و دیں سے تاباں کچھہ کام نہیں ہے ہم کو
ساقی ہو اور مے ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

ملایا خاک میں گھر کوہکن کا ہائے خسرو نیں
یہ کیا بات آگئی اس خانماں آباد کے دل میں

جفا تو چاہیے اے شوخ مجھ پہ یہاں تک کر
کہ سب کہیں مجھے رحمت تیری وفا کے تئیں

دیکھنا ان ماہرویاں کا تو اے تاباں نہ چھوڑ
چاہتا ہے گر ہمیشہ نور بینائی کے تئیں

میرے ہم مشربوں میں آ تاباں
ریجھتے ہوں گے حضرت رمضاں

جوں برگ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے
کیا ہو کہ برگ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے

محفل کے بیچ سن کے میرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جوں شمع زباں میری
یہاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری

سفیدی جو آئی ہے ڈاڑھی میں تیری
سمجھ شیخ یہ تار و پود کفن ہے

شیخ جو حج کو چلا چڑھ کے گدھے پر یارو
زور نہیں ظلم نہیں عقل کی کوتاہی ہے

رکھتا تھا ایک جیو سو تیرے غم میں جا چکا
آخر تو مجھکو خاک میں ظالم ملا چکا

دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالہ
آتا ہے مجکو تاباں بے اختیار رونا

گلی میں اپنی روتا دیکھہ مجکوں وہ لگا کہنے
کہ کچھہ حاصل نہیں ہونے کا ساری عمر رو بیٹھا

تو بال کھول نہایا تھا ایک دن اب تک
ہر ایک موج کو ہے پیچ و تاب دریا میں

ہر ایک کو کیجیو تیروں کا اپنے تو قندیل
کھلائیو نہ میرے استخواں ہما کے تئیں

بہے اشک از بسکہ آنکھوں سے میری
لب جو ہوا ہے کنار گریباں

ہاتھہ بیفائدہ زنداں میں نہ دوڑا مجنوں
طوق ہے تیرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

خوان فلک پہ نعمت الوان ہے کہاں
خالی ہیں مہر و ماہ کی دونوں رکابیاں

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
تک تم کو دیکھہ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

میں گور غریباں پہ جا کر جو دیکھا
بجز نقش پا لوح تربت نہیں ہے

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم
وہ ایک دم ہی ترے رو برو ہوا سو ہوا

آرزو ھی رھی پہ دانۂ تاک
قطرۂ مے کبھو نہ ھو ٹپکا

مرنے کے سے تو نہیں کچھ مرے آثار ھنوز
رحم کر رحم کہ جیتا ھے یہ بیمار ھنوز

کیا میں فرض کہ محشر کے تئیں مجھے بخشیں
جو تو نہ ھووے تو فردوس بھی جہنم ھے

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ھے
تجھے بے مروت محبت کہاں ھے

مری گور پر لوگ رکھتے ھیں گل کو
تری دلربائی کی غیرت کہاں ھے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ھے

میرا جواب نامہ یہاں لکھہ چکے پر ابتک
قاصد پھرا نہ لیکر وھاں سے جواب نامہ

گئے نالے ترے برباد مانند جرس چپ رہ
اثر دیکھا تری فریاد میں دل ھم نے بس چپ رہ

تری ابرو سے نہ چھوٹے گا مرا دل ھرگز
گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ھوتا ھے

تو مے پی اس قدر ظالم کہ تجکو کیف کم ھووے
ترا بے ھوش ھوجانا ھمارا ھوش کھوتا ھے

بتاں کے شہر ناپرساں میں کوئی کب داد کو پہنچے
مگر وہاں اپنے بندوں کی خدا فریاد کر پہنچے

قیامت مجھ پہ کل کی رات اس کے ہجر نیں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی
بےخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی

ہے مجکو خمار شب کا لا صبح ہوئی
شیشہ میں جو کچھہ کہ مے ہے باقی ساقی

محمد یار

خاکسار تخلص عرف کلو، شخصے است خادم درگاہ قدم شریف حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ شعر ریختہ میگوید و خود را دور میکشد، و بسیار سفلگی میکند، بلکہ از تنک آبی بنائے ریختہ را بآب رسانیدہ۔ چنانچہ علی الرغم ایں تذکرہ تذکرۂ نوشتہ است، بنام 'معشوق چہل سالۂ خود'، و احوال خود را اول از ہمہ نگاشتہ، و خطاب خود سید الشعرا پیش خود قرار دادہ۔ آتش کینہ کہ بے سبب افروختہ است، چوں کباہم بو میدہد، ایلقسم پئے من ریسماں می تابد، کہ گوئی پسر رسن تاب

است - محمد معشوق کلبوہ کہ مردے است نائب میر بحر بسیار گرمجوش و یار باش چوں شنید کہ خاکسار کلو هم نام دارد بداهتاً گفتہ ، مصرع :—

کتنا ھے در یار کا کلو اس کا نام

چوں کلو اکثر نام سگہا میگزارند لطف بہم رسانید - هر کہ دم لابۂ او دیدہ است میداند - فخرا و همہ بر ریختہ است طرفہ ایں کہ آں هم نامربوط و خود او هم نادرست - تقلید مرزا جان جاں مظہر در هر امر میکند - اگر کسے تکلیف شعر کند گوید کہ وقتے بیمار بودم ' آہ آہ من ایں رنگ داشت - سبحان اللہ مردمان ایں را شعر می نامند - بابا! من شعر نمی گویم - و با ایں برادران یوسف کہ ما شاعراں باشیم بر بطے .... الغرض بسیار کم فرصت و بے تہ است - ایں چند شعرے کہ بنام او نوشتہ مے آید ' از فیض سخن است ' ازو نیست -

دل شیفتہ ھو کے کیا لیا تیں
اے خانہ خراب! کیا کیا تیں

تیری زلف سیہ سے اے پیارے مجکو یکسر هزار سودا ھے

' خاکسار ' اس کی تو آنکھوں کے کہے مت لگیو
مجکو ان خانہ خرابوں ھی نے بیمار کیا

بر متتبع ایں فن پوشیدہ نیست کہ بجاے بیمار کیا گرفتار کیا میبایست -

تیغ قاتل سے ہوے محروم بے تقصیر ہم
روز محشر کے اُٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر
یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں
آہ جوں شمع ہے راحت مجھے مرجانے میں

خاکسار عاشق میخوار کو تقوے ستی کیا
ابھی دیکھا تھا میں اس رند کو میخانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے
مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

واسطے یمن کے جا سیل سے لیوے گل کو
گھر ترے خانہ خرابوں سے جو بنیاد کرے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی
اس خانماں خراب کو چلتا خدا کرے

عشوہ و ناز کو ترے پیارے یہ ترا 'خاکسار' جانے ہے

شانہ آہستہ کیجیو حجام
مار اس زلف کا رگ جاں ہے

—*—

محمد فقیہ دردمند

ہر چند کہ یک ملاقات با او کردہ ام لیکن خوب از احوالش مطلع نیستم این قدر دانم کہ نظر یافتۂ مرزا مظہر مسطور است، و اشعار او ہم بگوش فقیر نرسیدہ، مگر چند بیت ساقی نامہ کہ در مدح ممدوح خود گفتہ ۔

کرے کیوں نہ مشکل دو عالم کی حل
کہ جس کا ید اللہ ہے بانہہ بل

کوئی آج اس کے برابر نہیں
وہ سب کچھ ہے الّا پیمبر نہیں

کدام محمد علی خانے داشت، در صفت او گوید ۔

پڑی اس کی خوبی کی از بسکہ دھوم
لیا ہاتھہ قدرت کا صانع نیں چوم

در شروع ساقی نامہ گوید :۔

ارے ساقی اے جان فصل بہار
یہی تھا ہمارا و تیرا قرار

ہمارے بسر نے کی یہ فصل نہیں
فراموش کرنے کی یہ فصل نہیں

در قسمیہ می گوید : ـــ

تجھے وعدہ کر بھول جانے کی سوں
تجھے اپنی سوگند کھانے کی سوں

در فخریہ گفتہ -

تیری جان کی سوں غنیمت ھوں میں
سلیقوں میں ظالم قیامت ھوں میں

مرا عقل میں کون انباز ھے
ارسطو مرا ایک دواساز ھے

فلک چرخ مارے گا گر صد ھزار
نہ لاوے گا مجھسا کوئی رو بکار

در اشتیاق گوید :-

نہ یہ مے نہ یہ باغ رہ جاے گا
نہ ملنے کا یہ داغ رہ جاے گا

خواجہ برھان الدین
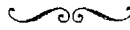
عاصی تخلص شاعر ریختہ و مرثیہ ھم خوب می گوید وضعی معقولے دارد - در شمشیر شناسیش دست تمامے است ، متوطن شاھجہان آباد ، در بہادر پورہ سکونت دارد ، و مزاجش مائل لطیفہ گوئی بسیار است - در علم تاریخ مہارتے خوب پیدا کردہ - از مغتنمات روزگار است ،

اگرچہ روزگار با او مساعدت نمی کند - از وست -

چمن کے تخت پر جس دن شہہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتایا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا وہاں گل تھا

رات کو میں شمع کی مانند رو کر رہ گیا
صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہہ گیا

میاں حسن علی

شوق تخلص از شاہجہان آباد است - سپاہی پیشہ شاعر ریختہ شاگرد خان صاحب سراج الدین علی خان - بندہ را بخدمت او ربط کلیست ' اکثر اتفاق ملاقات می افتد - از وست -

قاصد پھرا نہ وہاں سے جو اب تک تو آ چکا
القصہ اُس گلی میں گیا جو سو جا چکا

اے یاس مجکو کام اجابت سے کیا رہا
وقتے کہ جب دعا ہی سے میں ہاتھ اُٹھا چکا

اگر قاصد تیرے کوچہ سے تک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جیو ہی جاوے گا

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں
لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں

عبور بحر دنیا میں سبکساری سے کرتا ہوں
حباب آسا شمار دم سے بے کشتی گذرتا ہوں

سراپا آرسی ہیں دیدۂ بیدار پر تو بھی
تیری اس چشم‌خواب آلودہ آگے ہو نہیں سکتے

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے پر علم نہیں کمر کہاں ہے

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے مر گزرا
مری فردائے محشر آج ہے میں کل سے در گذرا

کسی کو باغ دنیا سے ندیکھا شاد ہم جاتے
برنگ شبنم ایک عالم یہاں سے چشم تر گذرا

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں
تربت پہ میری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں

تروار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے
پیاسے ہو کس کے خون کے ہم میں تو دم نہیں

آ چکا خط بھی پہ تیرا نت نیا ایک ناز ہے
ہو چکی آخر بہار اور اب تئیں آغاز ہے

خبر لے شوق کی ظالم تری فرقت سے مرتا ہے
بدا ز تلوار ہے اُس پر جو کوئی دم گذرتا ہے

بجھے گی آتش دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی
ہوائے ابر نیں دونی ولے یہ آگ بھڑکائی

بجز مرور کے عاشق سے کچھہ خیال نہیں
ہم اُس کی زلف کو جانا تری ہے سودائی

کیا کیا ستم نہ تھے جو کئے چشم یار نیں
جو سختیاں تہیں مجکو زمانہ دکھا چکا

آج ہی ملو تو بہتر وعدہ غلط ہے کل کا
جوں طفل اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا

رسوا

شخصے بود ہندو، حالا قید مذہب نداشت - پیش ازیں در توپخانہ نوکری کرد - از چندے ترک روزگار گرفتہ آوارۂ دشت گمراہی شدہ - وضع ساختۂ داشت - اکثر کہ در اثنائے راہ دیدہ شدہ است، مست گذارہ یافتہ ام - پیشتر عاشق طفل ہندوے بود - اُو از قضا مرد - عاشقیء اُو بہوس مبدل گشت - از بسکہ شراب میخورد و حالات مستی خود بمردمان مینمود، دریں پردہ عالمے را بآب میراند و بسر میبرد - عریانی را لباس خود مقرر کردہ میگشت - آخر در ہماں برہنگی جامہ گذاشت - از وست -

قفس سے وواں گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
آڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دیوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

ہر گلی میں گر پڑیں ہیں مست ہو دیوار و در
ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب

آرام تو کہاں کہ تک ایک سو کے چپ رہیں
آنسو بھی نہیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہیں

— ❊ —

محمد قایم

متخلص بقایم، جوانے است خیرہ وطیرہ، حسن پرست، نوکر پیشہ - مدتے داخل جرگۂ میاں خواجہ میرصاحب ماند - اکنوں با مرزا رفیع مشہور است - با فقیر نیز آشنا است - از وست ـــ

دریا ہی پھر تو نام ہے ہر ایک حباب کا
اُٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا

کیوں چھوڑتے ہو درد تہ جام میکشو
ذرہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

جا ہے ما تم کو نت مرے دل میں
اس نگر سے دہا نہیں جاتا

ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم
کیا کروں پر رہا نہیں جاتا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھیو لینا نہ کبھو نام کسی کا

الہی واقعی اتنا ہی بد ہے فسق و فجور
پر اس مزہ کو سمجھتا جو تو بشر ہوتا

بنا وے کوئی عمارت سو کس توقع پر
پڑا ہے قصر فریدوں بن آدمی سونا

نیک و بد جو تجھے کرنا ہے سو کر لے قائم
پھیر امید نہیں ہے کہ جواں ہووے گا

کو نوحہ گر کو خاک پہ میری ہو گرم شور
تھا ایک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا

ہم سے بے بال و پر اب جائیں کدھر اے صیاد
کاش تیں ذبح کیا ہوتا کہ آزاد کیا

یکدگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہے
تجکو خواہندہ بہت مجکو طرحدار بہت

بھلا اے ابر مژگاں اب تو بس کر
ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر

بہار عمر ہے قایم کوئی دن
اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

دامن نہ کھینچ خاک سے میری اے شعلہ خو
پُر بے قرار ہے ہوس سوختن ہنوز

اے محنت آزمائے عاشق
تب خوش ہو کہ مر ہی جائے عاشق

ہمارے درد دل کے تئیں یے کب بیدرد پوچھیں ہیں
ہم اپنے جیو سے عاجز ہیں اُنھو کو عیش سوجھیں ہیں

روکے ہے کون تیغ مری عشق نیں کہا
بولا ادھر سے داغ جگر لے سپر کہ ہم

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روے تھے خوں جم رہا ہے آنکھوں میں

موافقت کی بہت شہریوں سے میں لیکن
وہی غزال ابھی رم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

صحرا پہ گر جنوں مجھے لاوے عتاب میں
کھینچوں ہر ایک خار کو پائے حباب میں

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں
غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں

کھلتی ہے چشم دید کو تیری پہ جوں حباب
اپنے تئیں بن آپ نہ آیا نظر کہیں

اے دل برنگ غنچہ نہ مل گلرخوں سے تو
اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

دل تو کہے سنے سے سمجھتا بھی ہے کوئی
جو کچھہ کہو سو دیدۂ خانہ خراب کو

میں رہ گذر میں پڑا ہوں برنگ نقش قدم
تیں چھوڑا کس کے بھروسے پہ کارواں مجکو

قطعہ

یارو کیوں بکتے ہو بے فائدہ مجھہ سے جاؤ
اتنی کہتے ہو مجھے اتنی اُسے سمجھاؤ

وہ نہیں تو کہ تجھے غم ہو کسی عاشق کا
یا کوئی جیو نصیبوں ستی یا مر جاؤ

— * —

سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو

قطعہ

میں کہا خلق تمھاری جو کمر کہتے ہیں
تم بھی کچھہ اس کا کہیں ذکر و بیاں سنتے ہو

ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یہ بات
ہوے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو

راہ پیندے اُسے رکھتا ہوں اگر گھیر کبھو
ہنس کے کہتا ہے مجھے کام ہے اب پھیر کبھو

جیو میں چہلیں تھیں جو کچھہ سو تو گئیں یار کے ساتھہ
سر پٹکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھہ

میں دیوانہ ہوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جیو نکل جاے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھہ

موقوف شغل گریہ میری چشم اگر کرے
اتنا رہے نہ آب کہ لب کوئی تر کرے

پہلے ہی سو جھتی تھی ہمیں اے شب فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے

تجھہ سے لگیں تھیں آنکھیں پھنسا مفت میں یہ دل
تقصیر تھی کسو کی گرفتار ہے کوئی

دہن کو تیرے پایا بات کہتے
ہماری جز رسی میں کیا سخن ہے

نہ لگا دل کو اُس کی مژگاں سے
اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے

اُٹھاوے ستم یا جفا، کیا کرے
بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے

میں جاتا ہوں کعبہ سے اب دیر کو
بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے

نہ مرنے دیتے ہم 'قایم' کو لیکن
خداوندی سے کچھ چارا نہیں ہے

یا رب کوئی اُس چشم کا بیمار نہ ہووے
دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہووے

یہ دل وہ جنس ہے کہ دیا گر کہیں اُسے
دھڑکا یہی رہا کہ نہ دے باز پس مجھے

مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے
جو گزرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

بھٹکا پھروں ہوں یہاں میں اکیلا ہر ایک سمت
اے ہمرہان پیش قدم تم کدھر گئے

جی تنگ چکا ہے جور فروشوں کے ہاتھ سے
دل دیکھنے کو لیکے جو ظالم مُکر گئے

افغاں و آہ کشتۂ بیداد کیا کرے
جو قتل ہو چکا ہو سو فریاد کیا کرے

رباعی

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم
بے قدر کریں ہم کو جو دیکر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ
محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

— * —

فضل علی

دانا تخلص، مردیست نوکر پیشہ ' وارستہ ' لطیفہ گو ' شاگرد میاں مضمون۔ تلاش لفظ تازہ بسیار میکند - اصل او از شاہ جہان آباد است - اتفاقاً در موسم ہولی تاریخ پانزدہم کہ مجلس خانۂ فقیر مقرر است واقع شد - میاں دانا نیز تشریف داشت لیکن بہ لباس عجبے ' یک تلی سیاہ بہ بر کردہ کہ دامنش تا بزانو بود - چوں رنگ ذات شریف و ریشش از حد زیادہ ہر دو سیاہ بود ' مرزا رفیع کہ احوالش سابق گزشت بمجرد مشاہدہ کردن او گفت کہ " یارو ہولی کا ریچھ آیا " کہ بزبان فارسی خرس ہولی میتواں گفت - چوں در ہندوستان رسم است کہ در آں روزہا اراجیف و اطفال وغیرہم

خرس و بوزنہ و اسپ و شتر برائے خوشی ہم دیگر می سازند ، ایں لطیفہ بسیار بہ موقع افتاد ، بلکہ صورت گرفت - القصہ دانا عجب کسے است - گاہ گاہ با فقیر نیز ملاقات می کند - از وست -

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا
یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہے میرا

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا
یوسف مصر مگر تو ہی ہے اے یار عزیز

نچاتے خون کو جس روز میرے اُس کے فاقہ ہے
رگ گردن سے میری اُس کے خنجر کو علاقہ ہے

— * —

اسد یار خاں

انسان تخلص می کرد و شعر ریختہ نیز می گفت - در عصر محمد شاہ بادشاہ ، کہ اکنوں بہ فردوس آرام گاہ ملقب است بامارت رسید ، بسیار بکر و فر معاش می کرد - از اکبر آباد بود - بسبب ناسازیٔ روزگار کہ با کس نمی سازد و نخواہد ساخت زود فوت شد - از وست -

نہ دیکھی ایک جھلک بھی آپ کے تن بیچ اندھوں نیں
اگرچہ ھر بن مو سے بدن سارا شبکا ھے

زمیں اور آسماں اور مہر و مہ سب تجمیں ھیں انساں
نظر بھر دیکھہ مشت خاک میں کیا کیا جھمکا ھے

— * —

محمدی عارف

عارف تخلص، متصل دھلی دروازہ می باشد - شاگرد میاں مضمون است - ازبسکہ تلاش لفظ تازہ می کند - بعد از سالے و ماھے بیتے ازو موزوں می شود - شعر او خالی از لطف نیست، با فقیر نیز آشنا است -

دختر رز کو کہہ کہ اس سے ملے
ورنہ 'عارف' افیم کھاوے گا

ھزاروں معنی باریک آویں دل میں اے 'عارف'
اگر زلف سیہ کا پیچ اس کے منہ پہ کھل جاوے

— * —

میاں ھدایت اللہ

ھدایت تخلص، از دھلی است - ریختہ را بطرز می گوید، از یاران خواجہ میر صاحب است - اگرچہ او در

ظاہر بعجز و انکسار پیش می آید اما کمیت خامۂ او در عرصۂ میدان سخن بال بستہ راہ می رود ۔ بندہ از وضع او بسیار محظوظم ۔ از وست ۔

شہید تیغ ابرو ہے اسیر دام گیسو ہے
ہدایت بھی توکوئی زورھی شہدا شکستا ہے

یاد آتے ھی زلف کی ہے قہر
پھر گئی جیو پہ سانپ کی سی لہر

تیری زلفوں کی کچھہ چلی تھی بات
روتے ھی گذری آہ ساری رات

حیرت میں ہوں کہ تیرے تئیں اے شب فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

— * —

قطعہ بند

بھلا بتاؤ مری جان کچھہ ہدایت نیں
تمہارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا

مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو
کچھہ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

— * —

تجھ بن اے خونخوار یہاں ہر دم دم شمشیر ہے
سانس جب پلٹے ہے گویا باز گشتنی تیر ہے

—*—

بیدار

بیدار تخلص، جوانے است از یاران مرزا مرتضی قلی بیگ فراق - مصرع ریختہ درست موزوں می کند، و مرزا مرتضی قلی شاعر مربوط فارسی است - اکثر در صحبتہا با فقیر بگرمی پیش می آید - از بیدار است -

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو
کیا تجھ لب نیں ہمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو

—*—

میاں نجم الدین علی

سلام تخلص، مولد او اکبر آباد است، خلف میاں شرف الدین علی خاں پیام کہ احوال او نگاشتہ شد - چوں یار باش و مخاطب صحیح، حقیقت، جمعیت، لیاقت، شخصیت، آدمیت، حرمت، عظمت ہمہ دارد - فقیر را با او از تۂ دل اخلاص است - چنانچہ اکثر اوقات اتفاق باہم فکر شعر کردن و گپ زدن و مزاح نمودن می

افتد - جوانے خوبیست - خدا زندہ دارد - ازوست -

حدیث زلف چشم یار سے پوچھہ
درازی رات کی بیمار سے پوچھہ

بیتابیو! قسم ہے تمھیں میرے صبر کی
مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

— ❊ —

لاله ٹیک چند

بہار تخلص، مرد مستعد یست، از یاران سراج الدین علی خاں - صاحب تصانیف بسیار، دماغ تفصیل ندارم - برهمن رنگین بہار سخن از لفظ لفظش هزار هزار رنگ معنی گل می کند - با فقیر هم آشنا است -

وهی ایک ریسماں ہے جس کو هم تم تار کہتے هیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے هیں

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاهر
سلیمانی کے خط کو دیکھہ کیوں زنار کہتے هیں

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلیٰ کا قیس
یہ عجب مظہر ہے جس کے مبتلا هیں مرد و زن

باعتقاد بندہ بجاے اشارت قریبہ و کلمۂ استعجاب

کہ اول مصرع دویم بکار بردہ است اگر "حسن کیا" می گفت، این شعر واضح تر می شد، فافہم -

سحر یا معجز ہے یہ سچ کیوں نہیں کہتا 'بہار'
دم ترا چذر اصم سے زور کرتا ہے کرے

ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گر ہمارے بیش ہوں کیا مغفرت کم ہے

سبھی کرتے ہیں دعویٰ خوں کا قسمت ہے تو دیکھیں گے
صف محشر میں ہوگا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا

ناز و استغنا، عتاب، اعراض سب جانکاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ دل کو ہو نشاط

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خراباتی کیا تجکو مناجاتی

محبت کی قلمرو میں جو جاوے گا تو دیکھے گا
کوئی آرے تلے چیرا کسی کو کوہ پر پٹکا

میر عبدالرسول نثار

از یاران فقیر مولف است - چنانچہ بمشورت من می گوید - سید نجیب، جوان سعادت منش، اصلش از اکبرآباد است - در عصر فرخ سیر پادشاہ کہ ہنگامۂ

نیکو سیر در اکبرآباد گرم شده بود ، بزرگان این باقتدار بسر میبردند - بسیار آراستہ پیراستہ سنجیدہ فہمیدہ - فقیر از وضع او بسیار محفوظ است - از وست —

جو ہے یعقوب یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اتنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہے ڈھنگ تجھ بن
منھہ سے اُڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

ہر سمت صد تمنا تڑپھیں ہیں خاک و خوں میں
ہے صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھ بن

یہاں گل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنی
وہاں عاشقوں کے سر پہ پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

اکثر ہیں دل فگار ولیکن نہ اس قدر
کتنے ہیں بے قرار ولیکن نہ اس قدر

میں وہ ہوں جس کے رشک سے گل نیں کیا سحر
ٹکڑے جگر ہزار ولیکن نہ اس قدر

ہاتھہ سے اِن جامہ زیبوں کے نکل جاوینگے ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاوینگے ہم

یہ عزم کس مریض پہ یہ خشم کس پہ شوخ
ایک میں ہوں مضطرب سو تو نبض طپیدہ ہوں

قاصد یہ مقتضا نہیں غیرت کا خط لئے
مشتاق پر فشانی رنگ پریدہ ہوں

طوفان خلق ہووے گا اشک ستم زدہ
ایسا نہ ہووے یار کہ میں آب دیدہ ہوں

میر حسن

متخلص بحسن جوان اهلیست نوکر پیشه ، اکثر در بنده خانه بتقریب مجلس تشریف می آرد - وضع مرد آدمیانه دارد- مشق شعر از مرزا رفیع میکند- از وست -

لگتا ہے آج مجکو یہ سارا جہاں خراب
شاید کہ مرگیا ہے کوئی خانماں خراب

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑیو
خنجر تو ایک دم کے لئے منھہ نہ موڑیو

جعفر علی خان زکی

مرد عمده روزگاریست ، متوطن دهلی ، بادشاه محمد شاه برأو فرمایش مثنوی- حقه کرده بود ، دو سه شعر موزوں کرد ، دیگر سرانجام ازو نیافت - اکنوں

شیخ محمد حاتم کہ نوشتہ آمد باتمام رسانید و آں مثنوی خالی از مزہ نیست - پنج چار سال پیش ازیں خانۂ جعفر علی خاں مجمع یارانِ ریختہ مقرر بود - خدا داند چہ واقع شد کہ برھم خورد - شعر ریختہ را جستہ جستہ می گوید - انچہ ازو اشعار شنیدہ شدہ، نوشتہ شدہ - ازوست ــــ

چمکتے دانت دیکھے یار کے ریختیں جمانے میں
جڑیں ھیں گپتیاں الماس کی نیلم کے خانے میں

از مثنویِ اوست در منقبت گفتہ ــــ

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھ
نبی کی آل کی بارہ دری دیکھ

نبی کی آل پر منجھ وار جانا
اسی بارہ پلے سے پار جانا

در تعریف عشق و آبلہ پا می گوید :ـ

برہ کی راہ کے گوھر پھپولے
کہ کانٹے بات میں جاتے ھیں تولے
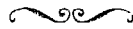
میاں صلاح الدین

تمکین تخلص، جوانے بے تمکینے نہ متمکن - باصطلاح

یاراں شوخ طبع مرد یست ' درویش وضع ' بکسے کار نہ دارد - بہر طوریکہ باشد بسر میبرد - ازوست —

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجکو دیوانہ کیا تجکو پریزاد کیا

میاں جگن

خالہ زادۂ شیر افگن خانِ حال است - دعوی شاگردیِ فقیر می کند ' بارے سر بہ سخن دارد ' خدایش زندہ دارد —

اس دل مریض عشق کو آزار ہی بھلا
چلنا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہی بھلا

محوی امان اللہ

غریب تخلص کہ یادش بخیر یک آشنا ے بامزہ داشتم۔ بسیار خوش ظاہر بود - زبانش لکنت داشت - ازیں سبب گاہے الکن ہم تخلص می آورد - چوں اکثر در باغات مغلپورہ میرفت ' بندہ اورا "ارنق باغاتی" میگفتم - بسبب پریشانیِ روزگار قریب دو سال است کہ بسمت بنگالہ رفت —

تیری بغل ہی میں دل پر داغ ہے غریب
حسرت چمن کی کاہیکو یہ باغ ہے غریب

محمد محسن سلمہ اللہ

محسن تخلص میکند - برادرزادۂ فقیر مولف است - ذہنش بسیار مناسب و سلیقہ اش خیلے درست معلوم میشود - مصرع ریختہ بمشورت من موزوں میکند - سنّش نام خدا تا بہ بست سالگی رسیدہ باشد - خوب خواہد گفت ' انشاءاللہ - از وست —

یوسف مصر پہنچتا ہے کوئی
تجھسے دلبر عزیز دلہا کو

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ
زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کا

دورے گئے وہ کوہ کن و قیس کے جو تھے
میرے جنوں کا اب تو زمانہ میں شور ہے

محسن تمام عمر مجھے روتے ہی کٹی
اس غم کدہ میں آہ کہیں بھی سرور ہے

مرا رنگ رو اس قدر زرد ہے
کہ یہاں زعفراں زار بھی گرد ہے

طپش تشنہ لب تڑپے ہے غالباً
دھڑاکے کا دل میں مرے درد ہے

اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہے زور
مرے پاس بھی ایک دم سرد ہے

بہتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہو گیا ہے
اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہو گیا ہے

ٹک راہ پر تو آؤ اب سیر کو کہ محسن
مانند نقش پا کے پامال ہو گیا ہے

تعزیت دار حسرت دل ہے
یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے

دل پر آبلہ مرا محسن
رشک آئینۂ حبابی ہے

اس کے کوچہ میں ہے کچھ نالۂ شب کا چرچا
دیکھیو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں

طبع نازک کو مرے ہاتھہ ہی میں رکھیو کہ میں
قیس و فرہاد سا دہقانی و مزدور نہیں

تنک ابرو ہلی، عاشق الٹ گئے
تجھے تلوار سے اے شوخ جس ہے

کیا جانئے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی بھی اپنے خبر نہیں

اس دشت پر خطر کا میں باشندہ ہوں جہاں
آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گزر نہیں

دل دیلے پر ہو جیو تو کرو خانماں خراب
یہ عاشقی ہے شیخ جیو خالا کا گھر نہیں

مر گیا پوچھی نہ پر تم نے میری زحمت دل
جیو کی جیو ہی میں رہی ہائے مری حسرت دل

مجھہ تہیدست کلے کیا تھا کوئی دن آگے
داغ پیسے سے جو ہاتھوں پہ ہیں سب دولتِ دل

کیا حساب اتنی جفاؤں کا جو میں کھینچوں ہوں
میں گرفتار بلا میں جو ہوا بابت دل

اے دیدہ خاندان تو اپنا ڈبو چکا
اب روتا تو ہے کیا جو کچھہ ہونا تھا ہوچکا

محسن نہ روؤں میں تو بھلا کہہ کہ کیا کروں
ایک دل بساط میں تھا میں اس کو بھی کھو چکا

دل مرا وابستۂ زنجیرِ زلفِ یار ہے
ہے تو دیوانہ پر اپنے کام کو ہشیار ہے

اور یہ عاجز تمہارا کچھہ نہیں رکھتا مگر
جان بر لب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

تک آ کے دیکھہ نہیں کچھہ بھی حال آنکھوں میں
پھرے ہے اس پہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں

نہ پوچھہ دختر رز کی تو مجھہ سے کیفیت
لیے ہی جاتی ہے دل یہ چھنال آنکھوں میں

جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے آمان کہیں

کب تلک نزع کی حالت میں رہوں میں تجھہ بن
ہو بھی اے مردنِ دشوار اب آسان کہیں

جس دن تری گلی سے میں عزمِ سفر کیا
ہر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

بت خانے کی شکست و درستیٔ کعبہ ہاے
یہ سب کیا پہ شیخ نیں دل میں نہ گھر کیا

رباعی

جب تخم محبت ہم نے دل میں بویا
دین و دنیا سے ہاتھہ اپنا دھویا
اس عشق میں ہوئے خانہ ویراں یارب
دونوں عالم سے ان نے ہم کو کھویا

میاں ضیاء الدین

ضیا تخلص، متوطن دہلی، جوانے است مودب، مہذب متواضع، با فقیر ربطے بسیار دارد - از وست -

جلت کا مت دو مژدہ مجھہ خاک میں رلے کو
آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

گریاں و خاک اُڑاتا جوں ابر جوں بگولا
صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

بندرابن

راقم تخلص از شاهجهان آباد است - مشق شعر از مرزا رفیع می کند - قبل ازیں با فقیر نیز مشورت شعر می کرد - با بندہ بسبب میاں ابراهیم که جوانے است مربوط و مضبوط آشنا شدہ بود، و میاں ابراهیم از بسکه با ما شاعران آشنا است، گوئی که هم سلیقه هست - راقم مرقوم و محمد قایم که احوالش گزشت هردو هم طرح از راقم است -

یہاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

ایں معنی را در دیوان میر عبدالحی تاباں مرحوم، به تغیرِ ردیف به همیں الفاظ مطالعه کردہ ام - ظنِ غالب آنست که ایں شعر از تابانِ مذکور است،

چرا کہ اُو از مدت مشقِ سخن می کرد، و ایں نو مشق است، اللہ اعلم -

دل کنج قفس میں کر فریاد بہت رویا
ھنسلے کے تئیں گل کے کر یاد بہت رویا

میرے اعضا میں تجھہ کمر سے میاں
فرق ھرگز نہیں سر مو کا

ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں
موج دریا ھے شکنج آستیں

قطعہ

مژگاں سے دل بچے تو ٹکڑے کرے ھے ابرو
یہ کہہ کے میں نیں اُس سے جب دل کی داد چاھی

کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ھوے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاھی

قطعہ

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھہ غرض
مجکو قسم ھے چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں

اتنا ھی چاھتا ھوں کہ میں اور عندلیب
آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھہ کر کہیں

--- * ---

کس کے گلے کے قطرۂ خوں ہیں تہ زمیں
جوں تکمہ اُگتے ہیں گل اورنگ اب تلک

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب
یارب عجب طرح کا کچھہ آزار ہے مجھے

دیکھا نہ ہو جسے میں کوئی سرزمیں نہیں
پر تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں

سنتے تھے ہم جہان میں اہل کرم کا ہاتھہ
آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں

مری بد شرابیوں سے کریں توبہ میگساراں
زہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں

سنا کلیے حال میرا کہ جوں ابر وہ نہ رویا
رکھے ہے مگر یہ قصہ اثر دعاے باراں

بیچوں ہوں میں اُس پاس یہ دل نیم نگہ کو
اس پر بھی ستم ہے جو خریدار نہ ہووے

اے عشق مجھے کوئی طرح مار
تا یار کہے کہ ہاے عاشق

کام عاشقوں کا کچھہ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں

کہتا تھا کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ
اس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں

سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگ میں دوام صبح
ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

معصیت میری بہت ہے کہ تیری بخشش بیش
اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیاں کو نہ دیکھ

صیاد کب تو چھوڑے گا مجکو قفس سے آہ
کھٹکے ہے میرے دل میں بہت خار خار باغ

رونے میں اس قدر تو جگر اے جگر نہ کر
دیکھا نہ تو نے کچھ کہ دل و دیدہ کیا ہوے

نامہ کا میرے اُس سے لے کر جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

ایک وے بھی دن تھے یارب جو تھا ہمیں میسر
گلشن میں ساتھ اس کے پیتے شراب پھرنا

کہے کیا درد دل بلبل گلوں سے
اُڑا دیتے ہیں اُس کی بات ہنسکر

جو چاہے گوہر مقصود اے دل
صدف کی طرح تو پاس نفس کر

میاں کمترین

مرد یست وارستہ مزاجش میلان ہزل بسیار دارد ۔
موافق استعداد خود می گوید ۔ بندہ شعر معقول او

نشنیده ام - گاه گاه در مجلس مراختہ کہ ایں لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ اند ملاقات می شود- از شہر آشوب اوست -

تو خصم گن کر مشلچن نیں کیے
تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن دیے

پلا اُس مست نفرانی کو تاڑی
اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈوں سے ذاتوں میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں

دیکھو پکوان والی کی مزاخیں
خصم کے روبرو دیتی ہے شاخیں

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمتریں تمہارے
کے بھر ہم کو دوگے نازک بدن پیارے

قدر تخلص

شخصے است وارستہ/ از قید مذہب و ملت برجستہ' اوباش وضع' زبان او بزبان لوطیان می ماند - گاھے در کوچہ و بازار شہر بہ نظر می آید - احوال او کما حقہ معلوم فقیر نیست - از وست --

آے ھو آج تو رہ جاو سجن رات کی رات
لیلتہ القدر سے بہتر ھے ملاقات کی رات
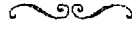
میر علی نقی

مرد سید یست ، سپاھی پیشہ ' کافر تخلص می کند - در شعرے کہ تخلص می آرد ' کافر تپکہ می نامد - چنانچہ اکثر در مجلس گفتہ می خوانند کہ صاحب دریں ایام یک کافر تپکہ موزوں شدہ است - در ایام گزشتہ دو سہ ماہ خانۂ خود مجلس ریختہ مقرر کردہ بود ' آخر از وضع او با شانۂ او برھم خورد - در بزرگ زادگی او شبہ نیست - با فقیر ربطے دلی دارد - از وست —

کس کس طرح بتوں کی صورت نیں رنگ پکڑے
کافر ان انکھڑیوں نیں دیکھے ھیں کیا جھگڑے
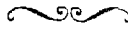
عاجز تخلص

شخصے لوطی است - پر و پوچے چندے بافتہ ' نظر کردۂ میاں کمترین - اکثر در مشاعرۂ حافظ حلیم کہ

مرد یست بسیار گرم جوش و چسپان اختلاط * - حافظ اکثر شعرهاے خوب اوستادان دیدہ و شنیدہ است - و حافظ حلیم شعر بطور بو اسحاق اطعمہ می گوید - گاهے مصرعے خوب هم از و سر میزند - چنانچہ مصرعِ حضرت حافظ قدس سرہ العزیز را تضمین کردہ است بطرزے کہ خود می گوید —

صبا بطلف بگوآں بخیل با بارا
کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ مارا

و با عاجز ایں عاجز ترین خلایق چنداں ربطے نہ دارد - از وست —

دل بغل مارے لیجاتے هیں یہ سب مکتب کے طفل
شیخ سعدی تم بھی اب لے کر گلستاں دوڑیو

میر گھاسی

جوانے است فہمیدہ، در مغل پورہ می باشد - تخلص ازراہ اظہار قصور فہم در غزل نمی آردہ با من هم آشنا ست - از وست —

* یہ جملہ نا تمام ھے - اس مقام سے کچھہ لفظ رہ گئے ھیں -

تو ہو اور باغ ہو اور زمزمہ کرنا بلبل
تیری آواز سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

عشاق

شخصے است کھتری - شعر ریختہ را بسیار نا مربوط می گوید - سلیقہ اش از تخلص پیدا ست - اکنوں در مجمع یاران هم نمی آید کہ مردہ است - ایامے کہ خانۂ میاں صاحب میاں خواجہ میر مجلس ریختہ می شد، بنظر می آمد، و رتبہ داری این شعر کہ نوشتہ می شود، از فیض سخن است - از وست ـــ

خط سے زیادہ اور ہوا حسن یار کا
آخر خزاں نیں کچھ نہ اُکھاڑا بہار کا

محمد میر

میر تخلص جوانے است بسیار اهل، خوش طبع - هر چند طرز علحدہ دارد لیکن از خوش کردن تخلص

من نصف دلم از و خوش است - از وست —

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محبوب ہوا
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

بسمل تخلص

پیش از نوشتن این مزخرفات آوازۂ او شنیدہ بودم، باز معلوم نشد کہ کجائی بود و کجا رفت - ازوست —

لہو پی رہ گیا بسمل و گرنہ
ملا تا اپنے تئیں وہ خاک و خوں میں

شاغل

شاغل تخلص جوانے بود بلکہ گاہے مصرعے موزوں میکرد، شاگرد بسمل مسطور میگفت - پیش بندہ ہم دو سہ مرتبہ آمدہ، اکنوں بنظر نمی آید - از وست -

جاتی نہیں ہے اُس سے تری فکر زلف و رخ
شاغل کو روز و شب ہے تیرا ذکر زلف و رخ

دلاور خاں

پیش ازیں ہمرنگ تخلص می کرد، حالا بیرنگ

خوش کردۂ میاں یکرنگ است، مصرعے درست موزوں میکند - از وست -

یار کا جب خیال آتا ہے
ہوش میرا تمام جاتا ہے

دل کوں تجھ عشق سے قرار نہیں
اب تلک تجکو اعتبار نہیں

نہیں مطلب مجھے کچھ باغبساں اور
دیوانہ ہوں میں گل کے رنگ و بو کا

سدا بیدار رہ غفلت سے ہو ترش
مثل مشہور ہے سویا سو چو کا

ہے ہاتھ ترا خوں سے عاشق کے گر آلودہ
مہندی سے سجن مت کر بار دگر آلودہ

مفلس کی خبر کب ہے اے سیم بدن تجکو
افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے زر آلودہ

فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو ایک بوسہ ملتا شکر آلودہ

خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا
کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

میں تو لکھتا تھا اس کو خط بیرنگ
اس تغافل شعار نے نہ پڑھا

قدرت اللہ

قدرت تخلص اگرچہ عاجز سخن است، لیکن برائے خاطر میر عارف کہ از یاران درست فقیر است نوشتہ شد۔

قاصد شتاب جا کے خبر لا تو یار کی
حالت نپٹ بری ہے دل بے قرار کی

میر عزت اللہ یکدل

مردے سیدے بود، عاشق سخن۔ اکثر منقبت میگفت۔ در زمان محمد شاہ بادشاہ بنظر می آمد۔ این ہم از زبان میر عارف بہ تحقیق رسیدہ۔ ازوست۔

نو گل باغ انما کی قسم
سرو گلزار ہل اتی کی قسم

میر میدان لا فتا کی قسم
میں تو عاشق ہوں مرتضی کی قسم

....

دل فدا ہے مجھے خدا کی قسم

شاعروں میں نہ میں خیالی ہوں
والہ و مست ہوں ولا کی قسم

میر محمد تقی

فقیر حقیر میر محمد تقی میر مولف این نسخہ، متوطن اکبر آباد است، بسبب گردش لیل و نہار از چندے در شاہجہاں آباد است —

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا

جو تیرے کوچہ میں آیا پھر نہیں کاڑھا اسے
تشنۂ خوں میں تو ہوں اس خاک دامنگیر کا

کس طرح سے مانئے یاراں کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

شب درد و غم سے عرصہ میرے جیو پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھی یا روز جنگ تھا

مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کوئی کیونکے سوتا رہے گا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

عید آیندہ تک رہے گا گلا
ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

آنکھوں میں جیو میرا ہے ایدھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

ہونا نہ چار چشم دل اس ظلم پیشہ سے
ہوشیار زینہار خبردار دیکھنا

تجھ سے ہر آن میرے پاس کا آنا ہی گیا
کیا گلا کیجے غرض اب وہ زمانا ہی گیا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

بھری تھی آگ تیرے درد دل میں میر ایسی تو
کہ کہتے ہی سجن کے روبرو قاصد کا منہ آیا

کف جاناں سے ممکن نہیں رہائی میر کوئی ہووے
اچنبھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگ حنا چھوٹا

اب وہ جگر طپش سے تڑپھتا ہے تشنہ لب
مدت تلک جو میر کا لوہو پیا کیا

دل میں بھرا زبسکہ خیال شراب تھا
مانند آئنہ کے مرے گھر میں آب تھا

ٹک دیکھ آنکھیں کھول کے اس دم کی حسرتیں
جس دم یہ سوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا

جو اے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
تو کہیو جب چلا ہوں میں تب اُس کا جیو نکلتا تھا

نہ گئی تسبیح اُس کی نزع میں بھی میر سے ہرگز
اُسی کے نام کی سمرن تھی جب ملکا ڈھلکتا تھا

مغاں مجھہ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہوویگا
مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے روویگا

ابتو جاتا ہی ہے کعبہ کو تو بت خانے سے
جلد پھریو تجھے اے میر خدا کو سونپا

ترے عشق سے آگے سودا ہوا تھا
پر اتنا میں ظالم نہ رسوا ہوا تھا

خزاں الفت اُس پہ نہ کرنی بجا تھی
یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا

کہاں آتے میسر مجکو تجھہ سے خود نما اتنے
بحسن اتفاق آئینہ تیرے رو برو ٹوٹا

طراوت تھی چمن میں سرو کو یہ اشک قمری سے
ادھر آنکھیں مندی اُس کی کہ اُودھر آب جو ٹوٹا

شب زخم سینہ اُوپر چھڑکا تھا میں نمک کو
ناسور تو کہاں تھا ظالم بڑا مزا تھا

آنکھیں کھلیں جب جیو میر کا گیا تب
دیکھے سے تجکو ورنہ میرا بھی جیو چلا تھا

ہم نے کہا تھا تیرے تئیں آو سمجھہ نہ ظلم کر
آخر کار بے وفا جیو ہی گیا نہ میر کا

قابو خزاں سے ضعف کا گلشن میں بن گیا
دوش ہوا پہ رنگ گل یا سمن گیا

برگشتہ بخت دیکھ کہ قاصد سفر میں سے
پہنچا تھا اُس کے پاس سو میرے وطن گیا

مر گیا تیشہ سنگسار کیا نخل ماتم مرا یہ پھل لایا

دیر وحرم میں کیونکے قدم رکھ سکوں میں میر
مجھ سے ایدھر تو بت پھرے اُودھر خدا پھرا

جبکہ تابوت مرا جاے شہادت سے اُٹھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اُٹھا

عمر گزری مجھے بیمار ہی رہتے ' ہے بجا
دل عزیزوں کا اگر میری عیادت سے اُٹھا

یک پارہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا
وحشت میں کوئی سیا سو کہیں کا کہیں سیا

دل پہنچا ہلاکت کو نپٹ کھینچ کسالا
لے یار مرے سلمہ اللہ تعالیٰ

جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش
وہاں چادر مہتاب ہے مکڑی کا سا جالا

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث
برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالہ

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا
ایک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا

افسوس میرے مردہ پر اتنا نہ کر کہ اب
پچھتانا عبث ہے جو ہونا تھا ہو چکا

ایک چشمک پیالہ ہے ساقی بہار عمر
جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی ہو چکا

ہر صبح حادثہ سے یہ کہتا ہے آسمان
دے جام خون میر کو گر ملہ وہ دھو چکا

میں بھی دنیا میں ہوں ایک نالہ پریشان یکجا
دل کے سو ٹکڑے میرے اور سبھی نالاں یکجا

سر سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے یعنی
جمع ہم نے بھی کیا ہے سر و ساماں یکجا

گزرا بناے چرخ سے نالہ پگاہ کا
خانہ خراب ہوجیو اس جیو کی چاہ کا

آنکھوں میں جیو مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو ہاے رے صرفہ نگاہ کا

یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پناہ کا

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن سمبھل کے پھن
ہوگا کمیں میں ہاتھہ کسی داد خواہ کا

کیا طرح ہے آشنا گا ہے گہے ناآشنا
یا تو بیگانہ ہی رہیے ہو جیے یا آشنا

پائیمال صد جفا ناحق نہ ہو اے عندلیب
سبزۂ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا

قطعہ

بلبلیں رو رو کے یوں کہتی تھیں ہوتا کاشکے
یک مژہ رنگ قراری اس چمن کا آشنا

گو گل و لالہ کہاں سنبل سمن اور نسترن
خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا

کیا دن تھے وے کہ یہاں بھی دل آرمیدہ تھا
رو آشیان طایر رنگ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا

حاصل نپوچھہ باغ شہادت کا بوالہوس
یہاں پھل ہر یک درخت کا حلق بریدہ تھا

مت پوچھہ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی
ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا

خواہ مجھہ سے لڑگیا اب خواہ اس سے مل گیا
کیا کہوں اے ہم نشیں میں تجھہ سے حاصل دل گیا

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا
کھب گئی جیو میں تری بانکی ادا

خاک میں مل کے میر اب سمجھے
بے ادائی تھی آسماں کی ادا

سدو ہو جل ہی بجھونگا کہ ہو رہا ہوں میں
چراغ مضطرب الحال صبح گاہی کا

گرچہ سر دار مزوں کا ہے امیری کا مزا
چھوڑ لذات کو اور لے تو فقیری کا مزا

اے کہ آزاد ہے تک چکھ نمک مرغ کباب
تا تو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے
کچھہ نہیں آتا نظر جب آنکھہ کھولے ہے حباب

مت ڈھلک مژگاں سے میرے اے سر شک آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

دیکھہ خورشید تجکو اے محبوب
عرق شرم میں گیا ہے ڈوب

میر شاعر بھی زور کوئی تھا
دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

دست صیاد تلک بھی میں نہ پہنچا جیتا
بے قراری نہیں لیا مجکو تہ دام بہت

سہل سوجھیں تجھے دشواریاں عاشق کی آہ
حسرتیں کتنی گرہ تھیں رمق ایک جاں کے بیچ

حال گلزار زمانہ کا ہے مانا بشفق
رنگ کچھ اور ہی ہوجاے ہے ایک آن کے بیچ

تاک کی چھاوں میں جوں مست پڑے سوتے ہو
ایلڈتی ہیں نگہیں سایۂ مژگاں کے بیچ

نکلے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
اُبھریں گے دل سے عشق ترے راز میرے بعد

بن گل ہواے آہ میں تو جاکے لوٹیو
صحن چمن میں اے پر پرواز میرے بعد

میرے سنگ مزار پر فرهاد
رکھہ کے تیشہ کہے ہے یا اُستاد

اُدھر تلک ہے عرش کے مشکل سے تک گزر
اے آہ پھر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر

هم تو اسیر کنج قفس ہوکے مر چلے
اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر

پاس رهنے کا نہیں ایک بھی تار آخر کار
هاتھہ سے جاے گا سر رشتۂ کار آخر کار

نہ ہو هرزه درا اتنا خموشی اے جرس بہتر
نہیں اس قافلہ میں اهل دل ضبط نفس بہتر

نہ ہونا ہی بھلا تھا سامنے سجھہ چشم گریاں کے
نظر اے ابر اب آپ هی نہ آوے گا برس بہتر

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجکو کسی کا ہو انتظار

ساقی تو ایک بار تو توبہ تو ڑا میری
توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

کر رحم تک کب لگ ستم مجھ پر جفا کار اس قدر
ایک سینہ خنجر سینکڑوں ایک جان و آزار اس قدر

بھاگے مری صورت سے وہ عاشق میں اس کی شکل پر
میں اس کا خواہاں یہاں تلک وہ مجھ سے بیزار اس قدر

قطعہ

دل دماغ اور جگر یہ سب ایک بار
کام آے فراق میں اے یار

کیوں نہ ہو فتح ضعف اعضا پر
مر گئے اس قشون کے سردار

مجکو پوچھا بھی نہ یہ کون ہے غمناک ہنوز
ہو چکی حشر میں روتا ہوں تہ خاک ہنوز

اشک کی لغزش مستانہ پہ مت کیجو نظر
دامن دیدۂ گریاں ہے مرا پاک ہنوز

باقی نہیں ہے دل میں یہ غم ہے بجا ہنوز
ٹپکے ہے خون دمبدم آنکھوں سے تا ہنوز

احوال نامہ بر سے مرا سن کے کہہ اٹھا
جیتا ہے وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز

بارہا چل چکی تلوار تیری چال پہ شوخ
تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز

منتظر قتل کے وعدہ کا ہوں اپنے یعنی
جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہگار ہنوز

اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس
اس ملک میں ہماری ہیں یہ چشم تر ہی بس

حرماں تو دیکھہ پھول بکھیرے تھی کل صبا
ایک برگ گل گرا نہ جہاں تھا میرا قفس

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس!
آہ افسوس صد ہزار افسوس!

یوں گنواتا ہے دل کوئی مجکو
یہی آتا ہے بار بار افسوس

آج کل کاہے کو بتلاتے ہو گستاخی معاف
راستی یہ ہے کہ وعدے ہیں تمہارے سب خلاف

پانو پر سے اپنے میرا سر اٹھانے مت جھکو
تیغ باندھی ہے میاں تم نے کمر میں خوش غلاف

سب پہ روشن ہے کہ شب مجلس میں جب آتی ہے شمع
تجھہ بھبوکے سے کو بیٹھا دیکھہ بجھہ جاتی ہے شمع

بالیں پہ میرے گھر سے تو آوے گا جب تلک
کر جاوں گا سفر ھی میں دنیا سے تب تلک

اتنا دن اور دل سے تپش کر لے کاوشیں
یہ مجھلہ تمام ھی ھے آج شب تلک

نقاش کیوں کہ کھینچ چکا تو شبیہ یار
کھینچوں ھوں ایک نازھی اس کے میں اب تلک

فصل خزاں میں سیر کی ھم نے بھی جاے گل
چھانی چمن کی خاک نہ تھا نقش پاے گل

اللہ رے عندلیب کی آواز دل خراش
جیو ھی نکل گیا جو کہا ان نے ھاے گل

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفاے بلبل
یک مشت پر پڑے ھیں گلشن میں جاے بلبل

بھلا تم نقد دل لے کر ھمیں دشمن گنو اب تو
کبھی کچھہ ھم بھی کر لیں گے حساب دوستاں در دل

کیا بلبل اسیر ھے بے بال و پر کہ ھم
گل کب رکھے ھے ٹکڑے جگر اس قدر کہ ھم

جیتے ھیں تو دیکھا ویں گے دعواے عندلیب
گل بن خزاں میں اب کے وہ رھتی ھے مر کہ ھم

گرچہ آوارہ جوں صبا ھیں ھم
لیک لگ چلنے کو بلا ھیں ھم

آستاں پر ترے گذر گئی عمر
اسی دروازہ کے گدا ہیں ہم

تیرے کوچہ میں تا بمرگ رکھا
کشتۂ ملت وفا ہیں ہم

ہم چشم ہے ہر آبلۂ پا کا مرا اشک
از بسکہ تیری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں

دامن نہ جھٹک ہاتھہ سے میرے کہ ستم گر
ہوں خاک سر راہ کوئی دم میں ہوا ہوں

آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنر عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں

گر تک ہو درد آئینہ کو چرخ زشت میں
ان صورتوں کو صرف کرے خاک و خشت میں

تو گلی میں اوس کی جا آ ولے اے صبا نہ چنداں
کہ گڑے ہوے پھر اکھڑیں دل چاک درد مندان

تیرے تیر ناز کے جو یہ ہدف ہوے ہیں ظالم
مگر آہنیں توے ہیں جگر نیاز مندان

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں
اس غمکدہ میں آہ دل خوش کہیں نہیں

آگو تو لعل نو خط خوباں کے دم نہ مار
ہر چند اے مسیح وہ باتیں رہیں نہیں

سن گوش دل سے اب تو سمجھہ بے خبر کہیں
مذکور ہوچکا ہے مرا حال ہر کہیں

اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں
اطراف باغ ہوں گے پڑے مشت پر کہیں

کیا میں نیں رو کر فشارِ گریباں
رگ ابر تھا تارِ تارِ گریباں

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں

تک سن کہ سو برس کی ناموس خامشی کھو
دو چار دن کی باتیں اب منہ پر آئیاں ہیں

مرے آگو نہ شاعر نام پاویں
قیامت کو مگر عرصہ میں آویں

نہ ایک یعقوب رویا اس الم میں
کُوا اندھا ہوا یوسف کے غم میں

تیری زلف سیہ کی یاد میں آنسو تپکتے ہیں
اندھیری رات ہے برسات ہے جگنو چمکتے ہیں

عام حکم شراب کرتا ہوں محتسب کو کباب کرتا ہوں
تک تو رہ اے بنائے ہستی تو تجکو کیسا خراب کرتا ہوں

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندہ میں کچھہ رہا نہیں

بوے گل اور رنگ گل اللہ ہی اللہ ہے نسیم
لیک بقدر یک نگاہ دیکھیے تو وفا نہیں

ایسے محروم گئے ہم تو گرفتارِ چمن
کہ موے قید میں دیوار بدیوارِ چمن

سینہ پر داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم
یہ بھی تختہ کبھی ہووے گا سزاوارِ چمن

خون ٹپکے ہے پڑا نوک سے ہر ایک کے ہنوز
کس ستم دیدہ کے مژگان ہیں یہ خارِ چمن

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میر سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

میں وہ پژمردہ سبزہ ہوں کہ ہوکر خاک سےسرزد
یکایک آگیا اس آسماں کی پاے مالی میں

میرے اُستاد کو فردوس اعلیٰ میں ملے جاگہ
نہ سکھلایا بغیر از عشق مجکو خورد سالی میں

آہ اور اشک ہی سدا ہے یہاں
روز برسات کی ہوا ہے یہاں

جس جگھہ ہو زمین تفتہ سمجھ
کہ کوئی دل جلا گڑا ہے یہاں

یہ غلط کہ میں پیا ہوں قدح شراب تجھہ بن
نہ گلے سے میرے اترا کبھی قطرہ آب تجھہ بن

یہ ہے بستی عاشقوں کی کبھی سیر کر لے چل تو
کہ محلے کے محلے پڑے ہیں خراب تجھہ بن

میں لہو پیوں ہوں غم میں عوض شراب ساقی
شب تیغ ہوگئی ہے شب ماھتاب تجھہ بن

کٹی عمر میری ساری جیسے شمع باو کے بیچ
یہی رونا جلنا گلنا یہی اضطراب تجھہ بن

نسیم مصر کہ آئی سواد شہر کنعاں کو
کہ بھر جھولی نہ یہاں سے لے گئی گلہاے حرماں کو

کوئی کانٹا سر رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل گلزار کیا درکار ہے گور غریباں کو

زبان نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا تھا
میری طینت میں یا رب سودۂ دلہاے نالاں کو

گل و سنبل ہیں نیرنگ قضا مت سر سری گزرے
کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو

کریں بال ملک فرش رہ اس ساعت کہ محشر میں
لہو ڈوبا کفن لاویں شہید ناز خوباں کو

صداے آہ جیو کے پار ہوئی ہے تیر سی شاید
کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل سے پیکاں کو

کیا سیر اس خرابہ کا بہت اب چل کے سو رہیے
کسو دیوار کے سایہ میں منہ پر لے کے داماں کو

کیا ھے گر بد نامی و حالت تباھی بھی نہ ھو
عشق کیسا جس میں اتنی رو سیاھی بھی نہ ھو

جب سے جہاں ھے ھر سحر تیری کروں ھوں جستجو
خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

آنکھوں سے دل تلک ھیں چلے خوانِ آرزو
نو امیدیاں ھیں کتنی ھی مہمانِ آرزو

اس منجھلے کو سیر کروں کب تلک کہ ھے
دست ھزار حسرت و دامانِ آرزو

دل پرخوں ھے یہاں تجکو گماں ھے شیشہ
شیخ کیوں مست ھوا ھے تو کہاں ھے شیشہ

شیشہ بازی تو تک ایک دیکھئے آ آنکھوں کی
ھر مژہ پر میرے اشکوں سے رواں ھے شیشہ

قطعہ

جا کے پوچھا جو میں کل کارگۂ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ھے شیشہ

کہنے لاگے کہ کدھر بھکا پھرا ھے اے مست
ھر طرح کا جو تو دیکھے ھے کہ یہاں ھے شیشہ

دل ھی سارے تھے پہ ایک وقت میں جو کر کے گداز
شکل شیشہ کی بنائیں ھیں کہاں ھے شیشہ

—— :*: ——

جو ھوشیار ھو سو آج ھو شراب زدہ
زمین میکدہ یکدست ھیگی آب زدہ

بلے یہ کیونکہ ملے تو ھی یا ھمیں سمجھیں
ہم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ

کہتے ہیں اُڑ بھی گئے جل کے پر پروانہ
کچھہ سنی سوختگاں نے خبرِ پروانہ

سعی اتنی تو ضروری ہے اُٹھے بزم سلگ
اے جگر تفتگیِ بے اثرِ پروانہ

بزم دنیا کی تو دلسوزی سنی ہوگی میر
کس طرح شام یہاں ہو سحرِ پروانہ

اس اسیری کے نہ کوئی اے صبا پالے پڑے
یک نظر گل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے

حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش
رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے

اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہے آہ نپٹھہ سرد
یہ باؤ کلیجے کے کہیں پار نہ ہووے

کرے ہے خندۂ دنداں نما تو میں بھی رووں گا
چمکتی زور ہے بجلی مقرر آج باراں ہے

چمن پر نوحہ و زاری سے ہے کس گل کا یہ ماتم
جو شبنم ہے تو گریاں ہے جو بلبل ہے تو نالاں ہے

الم سے یہاں تئیں میں مشق ناتوانی کی
کہ میری جان نیں تن پر میرے گرانی کی

چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

سمجھے ہے نہ پروانہ نہ تھانبے ہے زباں شمع
وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے

لیتا ہی نکلتا ہے میرا لخت جگر اشک
آنسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہے

اے میر جگر ٹکڑے ہوا دل کی طپش سے
شاید کہ میرے جیو پر اب آن بنی ہے

گرم ہیں شور سے تجھہ حسن کے بازار کئی
رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی

اپنے کوچہ میں نکلیو تو سنبھالے دامن
یادگارِ مژۂ میر ہیں وہاں خار کئی

صبح سے بن علاج تو خوش ہے تیرا بیمار آج تو خوش ہے
میر پھر کہیو سر گزشت اپنی بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہے

مر ہی جاویں گے بہت ہجر میں ناشاد رہے
بھول تو گئے ہو ہمیں پر یہ تمہیں یاد رہے

ہم سے دیوانہ پھریں شہر میں سبحان اللہ
دشت میں قیس پھرے کوہ میں فرہاد رہے

میرے دودِ دل کا تو یہ جوش ہے
کہ عالم جوانِ سیہ پوش ہے

گیا روبرو اُس کے کیوں آئینہ
کہ بیہوشی اُوس کا دم اور ہوش ہے

اچنبھا ہے اگر چپکا رہوں مجھہ پر عتاب آوے
وگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اوس کو خواب آوے

لپیٹا ہے دل سوزاں کو اپنے میر نین خط میں
الٰہی نامہ بر کو اُس کے لے جانے کی تاب آوے

اس دشت میں اے سیل سمھل ہی کے قدم رکھہ
ہر سمت کو یہاں دفن میری تشنہ لبی ہے

بتاں تو چھوڑ دینے کر کے خاک راہ کے صدقے
مجھے محفوظ رکھا اپنے میں اللہ کے صدقے

کیا خط لکھوں میں گریہ سے فرصت نہیں رہی
لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بہی بہی

ملوں کیونکہ ہم رنگ ہو تجھہ سے ظالم
تیرا رنگ شعلہ مرا رنگ کا ہی

اب خدا مغفرت کرے اس کو
صبر مرحوم تھا عجب کوئی

سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے
چلا ہے یار کے کوچہ کو اور مجھہ سے چھپاتا ہے

ہوگئی شہر شہر رسوائی
اے میری موت تو بھلی آئی

میر جب سے گیا ہے دل تب سے
میں تو کچھہ ہوگیا ہوں سودائی

بارے نسیم ضعف سے کل ہم اسیر بھی
سناہتے میں جیو کے گلستاں تلک گئے

صد کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاعِ دل کے خریدار مرگئے

تمام اُس کے قد میں سناں کی طرح ہے
نکیلی نپٹہہ اُس جوان کی طرح ہے

قطعہ

اوڑے خاک گاہے رہے گاہ ویراں
خراب اور پریشاں یہاں کی طرح ہے

تعلق کرو میر اس پر جو چاہو
مری جان یہ کچھہ جہاں کی طرح ہے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گزر گئے
بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے

ناصح نروویں کیونکہ محبت کے جیو کو ہم
اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے

ہنگامہ میری نعش پہ تیری گلی میں ہے
لے جائیں گے جنازہ کشاں یہاں سے کب مجھے

کاتب کہاں دماغ جواب شکوہ ٹھانیے
بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانیے

شب خواب کا لباس ہے عریاں تنی میں یہ
جب سوئیے تو چادر مہتاب تانیے

کب تلک جیو رُکے خفا ہووے
آہ کرنے کی تک ہوا ہووے

بے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم
دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

ہے یہ بازار جلوں مذتی ہے دیوانوں کی
یہاں دوکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی

خانقہ کا تو نہ کر قصد تک اے خانہ خراب
یہی ایک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی

کیونکہ کہیے کہ اثر گریۂ مجلوں میں نہ تھا
گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

نہیں وسواس جیو گنوانے کے
ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میری تغییر حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

غافل میں رہا تجھہ سے نپٹھہ نابجوانی
اے عمر گزشتہ میں تیری قدر نہ جانی

مدت سے ہیں ایک مشت پر آوارہ چمن میں
نکلی ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی

یہ جان اگر بید مولہ کہیں دیکھے
رہ گئی ہے کسی موے پریشاں کی نشانی

بھاتی ہے مجھے ایک طلب بوسہ میں یہ آن
لکنت سی اُلجھہ جاکے تجھے بات نہ آنی

بسکہ ہے گردون دوں پرور' دنی
ہوئے پیوند زمیں یہ کشتنی

بزم میں سے اب تو چل اے رشک صبح
شمع کے منھہ پر تو پھر گئی مردنی

اس ستم دیدہ کی صحبت سے جگر لوہو ہے
آب ہو جاے کہ یہ دل خلۂ پہلو ہے

دھر بھی میر طرفہ مقتل ہے
جو ہے سو کوئی دم کو فیصل ہے

روز کہتے ہیں ملنے کو خوباں
لیکن اب تک تو روز اول ہے

قطعہ

ہجر باعث ہے بدگمانی کا
غیرت عشق ہے تو کب کل ہے

مر گیا کوهکن اسی غم سے
آنکهه اوجهل پهاڑ اوجهل هے

خنجر بکف وہ جب سے سفاک هو گیا هے
ملک ان ستم زدوں کا سب پاک هو گیا هے

دیوار کہنہ هے یہ مت بیٹهہ اس کے سائے
اوٹهہ چل کہ آسماں سب کا واک هو گیا هے

زیر فلک بهلا تو رووے هے آپ کو میر
کس کس طرح کا عالم یہاں خاک هو گیا هے

ساقی گهر چاروں اُور آیا هے
دے بهی مے ابر زور آیا هے

ذوق تیرے وصال کا میرے
نلگے سر تا بگور آیا هے

کل هم سے اس سے بارے ملاقات هو گئی
دو دو بچن کے هونے میں ایک بات هو گئی

کن کن مصیبتوں سے هوئی صبح شام هجر
سو زلفیں هی بناتے اسے رات هو گئی

گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا
مسجد تو شیخ جیو کی خرابات هو گئی

کتنا خلاف وعدہ هوا هو گا وہ کہ یہاں
نو میدی اور امید مساوات هو گئی

اپنے تو ہونٹھہ بھی نہ ہلے اس کے روبرو
رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہوگئی

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے
ہر سر حرف پہ فریاد نہایت کیجے

قصد اگر امتحان ہے پیارے
اب تلک نیم جان ہے پیارے

سجدہ کرتے ہی سر کٹتیں ہیں جہاں
سو تیرا آستان ہے پیارے

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

رباعیات

تجھہ رہ سے محال ہے اٹھانا مجکو
خبطی کہے کوئی کوئی سیانا مجکو

سر میرا لگا ہے نقش پا سے تیرے
سجدہ کو خدا کے بھی بجانا مجکو

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا
میخانہ میں جوش بادہ نوشاں دیکھا

ایک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے
دیکھا سو محلۂ خموشاں دیکھا

کاھیکو کوئی خراب خواری ھوتا
کاھیکو کسی پہ جان بھاری ھوتا
دلخواہ ملاپ ھوتا تو تو ملتے
اے کاش کہ عشق اختیاری ھوتا

—— * ——

جگ میں جوں شمع پانو جل کر رکھنا
یا بن کے بگولا ھاتھہ مل کر رکھنا
آیا ھے قمارخانۂ عشق میں تو
سربازی ھے یہاں قدم سمھل کر رکھنا

—— * ——

کیا کریے بیان مصیبت اپنی پیارے
دن عمر کے میری غم میں گزرے سارے
رنج و ضعف و بلا ' مصیبت ' محنت
پنپا ھی نہ میں تو ان دکھوں کے مارے
پیغمبر حق نے حق دیکھایا اس کا
معراج ھے کمترین پایا اس کا
سایہ جو اسے نہ تھا یہ باعث ھے کا
کل حشر کو ھوگا سب پہ سایا اس کا

—— * ——

دل تجھہ پہ چلے نہ کیونکہ میرا بیتاب
یہاں مجکو توقع ھے کہ لاتا ھے جواب
وھاں ان نے شراب پی کے مستی میں میر
کر کھائے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب

خاتمہ

بدانکه ریخته بر چند ین قسم است - ازانجمله آنچه معلوم فقیر است نوشته می آید - اول آنکه یک مصرعش فارسی ویک هندی ، چنانچه قطعه حضرت امیر علیه الرحمته نوشته شد - دویم اینکه نصف مصرعش هندی و نصف فارسی ، چنانچه شعر میر معز که نوشته آمد - سیوم آنکه حرف و فعل پارسی بکار میبرند و این قبیح است - چهارم آنکه ترکیبات فارسی می آرند ، اکثر ترکیب که مناسب زبان ریخته می افتد ، آن جایز است ، و این را غیر شاعر نمی داند ، و ترکیبے که نامانوس ریخته می باشد آن معیوب است ، و دانستن این نیز موقوف سلیقۂ شاعری است ، و مختار فقیر هم همین است - اگر ترکیب فارسی موافق گفتگوے ریخته بود مضایقه ندارد - پنجم ایهام است که در شاعران سلف درین فن رواج داشت، اکنون طبعها مصروف این صنعت کم است ، مگر بسیار بشستگی بسته بشود ، و معنیء ایهام این است که لفظے که برو

بنا ے بیت بود آں دو معنی داشته باشد ، یکے قریب و یکے بعید ، و بعید منظور شاعر باشد و قریب متروک او - ششم انداز است که ما اختیار کرده ایم و آں محیط همه صنعتها است - تجنیس ، ترصیع ، تشبیہ ، صفائے گفتگو ، فصاحت، بلاغت، ادا بندی، خیال وغیرہ ایں همه هاد ر ضمن همین است، وفقیر هم از همین وتیره محظوظم - هر که را در ایں فن طرز خاصے است ایں معنی را می فهمد ، با عوام کار ندارم - اینکه نوشته ام براے یاران من سند است نه براے هر کس - زیرا که عرصۂ سخن وسیع است و از تلون چمنستان ظهور آگهم - مصرع

هر گلے را رنگ و بوے دیگر است

ترقیمه

تمام شد نکات الشعراء هندی من تصنیف میر محمدتقی میر تخلص، بحسب الفرمائش حضرت سید عبد الولی صاحب و قبله عزلت تخلص - کاتب الحروف سید عبد النبی ابن سید محمود ابن میر محمد رضا اصفهانی غفر الله ذنوبهما و ستر عیوبهما در بلدۂ فرخنده بنیاد ابد بنیاد تحریریافی التاریخ هفدهم رمضان المبارک سنه ۱۱۷۲ یک هزار یک صدوهفتاد و دو من الهجرة النبی صلے الله علیه و آله وسلم -

اشاریہ

الف

ب

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

Anjuman -i- Taraqqi -e- Urdu Series No. 28

NUKAT - USH - SHUARA

A Biographical Anthology

OF

Urdu Poets

BY

MIR TAQI "MIR"

Printed and Published by Anjuman -i- Taraqqi -e- Urdu

Aurangabad (Deccan)

1935

2nd Edition *1000 Copies*